اگست

سنہ ۱۹۹۸ء

ماہنامہ

پیامِ عمل

لاہور

مولانا سیّد مرتضےٰ حسین فاضل (مرحوم)

امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ، ۳۳۔ بی شمع پلازہ ۲۷، فیروزپور روڈ، لاہور

سیّد علی اکبر رضوی
کے قلم سے دو نئی کتابیں
ساٹھ ستر سال کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی پس منظر میں لکھی جانیوالی
آپ بیتی اور پر بیتی
تاریخ کا سفر
حضرتِ آدم علیہ السلام کے ورودِ ارضی سے لے کر دشتِ کربلا تک
ایک خونچکاں داستان

اور تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہو، جو لوگوں کو نیکی کیطرف بلائے اور اچھی باتوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ (آل عمران)

پاکستان میں ملت جعفریہ کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیامِ عمل

لاہور

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نمبر

فہرست

رجسٹرڈ ایل نمبر	:	سی. پی. ایل/۱۵
جلد نمبر	:	۴۰
شمارہ	:	اگست ۹۸ء
سالانہ چندہ	:	۱۰۰ روپے
فی پرچہ	:	۳۰ "
غیر ممالک	:	۳۰ ڈالر
ناشر	:	سید انصار حسین نقوی
مطبع اور کمپوزنگ	:	رضا سنز پرنٹرز

مینیجنگ ٹرسٹی امامیہ مشن پاکستان لاہور، ۳۳/ بی شمع پلازہ ۲۷، فیروزپور روڈ، لاہور

گوشۂ نظم

معاصرین کی آرا

کتابیات

اداریہ — وحید الحسن ہاشمی ایم اے

مولانا مرتضیٰ حسین مرحوم

مولانا مرتضیٰ حسین مرحوم تین سال تک پیام عمل لاہور کے مدیر رہے انہوں نے رسالے کا ادبی اور قومی معیار اس قدر بلند کر دیا کہ اس رسالے کے اکثر مضامین دوسرے اہم رسالوں میں نقل کیے گئے مولانا کی اگرچہ دینی حیثیت مسلم تھی تاہم انہوں نے بحیثیت ادیب، نقاد، مورخ اور محقق بھی اپنے کو ساری دنیائے علم و فن سے منوالیا۔ یہی سبب ہے کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے کارناموں پر اتنے گراں قدر اور کثیر مضامین تحریر کئے گئے کہ اگر انہیں یکجا کیا جائے تو کئی ہزار صفحات پر مشتمل کتاب معرض وجود میں آسکتی ہے پیام عمل نے اپنی کوتاہ دامنی کی بنا پر اس گلستان مضامین میں سے صرف چند پھول منتخب کر کے قوم کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

پیام عمل کے حافظ کفایت حسین مرحوم نمبر کو دیکھ کر مولانا اس لئے زیادہ خوش ہوئے تھے کہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو علمائے حق کی تصانیف کے ساتھ ساتھ ان کے کارنامے بھی منظر عام پر آجائیں گے مگر کسی کو کیا علم تھا کہ پیام عمل کا اگلا شمارہ خود مولانا مرحوم ہی کی ذات سے منسوب ہو گا۔

مولانا نے لکھنؤ کی ادبی اور شعری فضا سے متاثر ہو کر قطعات قصائد اور نظمیں بھی کہی ہیں مگر اپنے والد مرحوم کے کہنے سے یہ سلسلہ بند کر دیا۔ محترمہ سیدہ طلعت نے اور دیگر مقالہ نگاروں نے مولانا کی ابتدائی شاعری کے نمونے پیش کئے ہیں جنہیں شائع کیا جا رہا ہے۔

ہم تمام مقالہ نگاروں، ادیبوں، شعرا کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اپنی اپنی کاوشیں ہم تک پہنچائیں خصوصیت سے ہم مولانا کے خاندان کے افراد مولانا حسین مرتضیٰ، کرنل نواب عالم اور جعفر مرتضیٰ کے بیحد ممنون ہیں کہ انہوں نے ہمیں خاصا مواد مہیا کر دیا۔ ڈاکٹر باقر مرتضیٰ مقیم امریکہ کے تعاون کے بھی ہم شکر گذار ہیں

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل اگرچہ ظاہری طور پر ہم سے جدا ہو گئے ہیں لیکن ان کی یادیں اور تحریری ہمارے دلوں کی دنیا کو جگمگا رہی ہیں۔ انسان دولت و حشمت سے نہیں اپنے علم سے زندہ رہتا ہے۔

تحریر مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل مرحوم

خود نوشت

1 1923ء کو ولادت ہوئی (راجہ بازار لکھنؤ)
2 ابتدائی تعلیم مدرسہ عابدیہ، کٹرہ ابو تراب خان، لکھنؤ۔
3 5 جون 1933ء درجہ چہارم، سلطان مدارس۔
4 1947ء تکمیل، سند صدر الافاضل حاصل کی۔
5- 1941ء مولوی۔
6- 1942ء عالم۔
7- 1945ء سند الافاضل و فاضل ادب لکھنؤ یونیورسٹی۔
8- 1946ء کامل (الہ آباد) عماد الادب (شیعہ کالج)
9- 1947ء صدر الافاضل، فاضل (اردو) الہ آباد بورڈ۔
10- 1948ء عماد الکلام (شیعہ کالج) دبیر کامل لکھنؤ یونیورسٹی۔
11- 1952ء مولوی فاضل I، پنجاب یونیورسٹی۔
12- 1953ء منشی فاضل، I پنجاب یونیورسٹی۔
13- 1959ء فاضل اردو سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ، لاہور۔

میرے جد بزرگوار مولانا سید اعجاز حسین صاحب فاضل و عالم و عابد شخص تھے۔ ان کے والد جناب میر عبداللہ صاحب تحیر بارود خانہ، وزیر گنج میں صاحب مکانات تھے غدر 1857ء میں گھر پر زوال آیا اور سب کچھ لٹ گیا، میرے والد فارسی کے فاضل اور نواب منش بزرگ تھے ان کی تمنا تھی کہ اجداد کی طرح مجھے علم دین کی تعلیم دیں۔

میری ولادت کے بعد میرا نام سرکار باقر العلوم نے مرتضیٰ حسین رکھا، کہ والد مرحوم سردار حسین نام رکھتے تھے۔

1947ء میں والد مرحوم نے رحلت فرمائی اور میں عراق جانے سے محروم رہا۔

قاسم آغا

مولانا قاسم آغا، جن کا نام سردار حسین صاحب قبلہ مولانا سید اعجاز حسین صاحب قبلہ نقوی کے چھوٹے فرزند اور جناب مولانا سید محمد صاحب کے پوتے تھے۔ والد سے قرآن مجید سے لے کر ابتدائی صرف و نحو، فارسی میں گلستان بوستان سہ نثر ظہوری اور سکندر نامہ پڑھ چکے تھے، یہ کتابیں اب تک ان کی پڑھی ہوئی میرے پاس موجود ہیں۔ 1903ء ر1322ھ میں مولانا اعجاز حسین نے رحلت کی۔ والد فرماتے تھے کہ ان کی عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی۔

والد کے بعد مولانا قاسم آغا صاحب مختلف پریشانیوں سے دو چار ہوئے لیکن ان کی والدہ معظمہ نے ہمت کی اور فرزند کی تعلیم کو جاری رکھا۔

ان کے والد کے ساتھیوں نے ان کو سنبھالا اور ملا علی نقی صاحب نے پڑھانا شروع کیا اور **کیننگ** کالج میں داخل کرا دیا۔وہ بیس برس کی عمر تک درسیات سے کسی حد تک فارغ ہوئے ہی تھے کہ یتیم بھتیجوں کی دیکھ بھال ضروری ہو گئی حالات کے پیش نظر انہوں نے کاروبار شروع کیا۔ سب کی شادیاں کیں۔ بھائی ایک ایک کر کے الگ ہو گئے تھے۔ حالات کے تضاد نے انہیں ترک وطن پر مجبور کیا وہ حیدر آباد چلے گئے اور اپنے والد مرحوم کے شاگردوں سے صلاح مشورہ کر کے وکالت کا امتحان دینے کی تیاریاں کرنے لگے۔ لیکن گھر کے جھگڑوں کی وجہ سے وطن آنا پڑا، مکان بکا اور وہ بے گھر ہو گئے۔

اس مرتبہ ان کے ہم درس حکیم رضا حسین صاحب نے اپنی جائیداد کی دیکھ بھال اور بچوں کی اتالیقی پر رکھ لیا۔ اس کے بعد کچھ حالات سدھر گئے اور والد نے عقد کیا لیکن تھوڑی مدت بعد اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔ دوسرا عقد کیا۔ اب تک والد مرحوم نے بڑے ٹھاٹھ کی زندگی گزاری تھی۔ لکھنؤ کے امراء کی طرح رہتے اور قیمتی لباس پہنتے تھے، عقد ثانی کے بعد تیسرے سال 1923ء کو میری ولادت اور 1926ء کو میرے چھوٹے بھائی علی رضا مرحوم کی ولادت ہوئی۔ میری ولادت نے خاندانی غم کو خوشی سے بدل دیا۔ میرے والد نے جناب سید باقر صاحب اعلی اللہ مقامہ سے نام رکھنے کی درخواست کی۔ جناب نے فرمایا، اس بچے کا نام سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کے نام پر مرتضیٰ حسین اور اس کے بعد دوسرے فرزند کا نام سید رضی مبارک ہوگا۔

والد میری ولادت کے بعد ہدیہ تشکر ادا کرنے حضرت عباسؑ کے روضے پر جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ وہ 1923ء کے آخر میں عتبات عالیات کو روانہ ہوئے۔

عراق سے واپس مشہد آئے تو گھر سے ولادت فرزند کی اطلاع پہنچی۔ آپ نے اسے انعام سمجھا اور زیارت امام رضاؑ کی برکت خیال کر کے ان کا نام علیؑ رضا رکھا۔ زیارات سے واپس آئے اور ابھی دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ میری والدہ نے رحلت کی۔

والدہ مرحومہ کے بعد ہم دونوں کی نگہداشت، دیکھ بھال اور پرورش نے ان کو خانہ نشین کر دیا۔ انہوں نے ہماری تربیت میں غیر معمولی محنت کی۔ اس کے لئے وہ اپنے ذاتی مکان پاٹے نالے سے اٹھ کر کٹرہ ابوتراب خان کے

قریب غازی منڈی میں آ گئے۔ یہاں ان کو ان کے ذوق کا ماحول ملا۔ علماء، اوباء مدرسے اور کتب خانے۔ آخر عمر میں دس بارہ سال وہ بالکل خانہ نشین رہے۔ دن بھر مطالعہ اور تلاوت قرآن، وظائف اور نمازیں، رات بھر نماز و دعا۔

اس درمیان میں میں نے ان کی تمناؤں کے مطابق مدرسے اور یونیورسٹی کے امتحانات میں اول نمبر کامیابیاں حاصل کرنا شروع کیں۔ 1947ء میں انہوں نے میری شادی کر دی اور میری شادی کے بعد 28 اگست 1947ء 110 شوال 1366ھ کو جمعرات کا دن گزار کر جمعہ کی صبح کے قریب ساڑھے تین بجے رحلت کی۔ صبح کو علماء و طلباء و رؤسا کے مجمع میں جنازہ اٹھا۔

تجہیز و تکفین و نماز کے بعد کربلا تال کٹورہ میں ابدی خواب گاہ پائی۔

والد مرحوم کے آثار و تبرکات میں میرے پاس ان کی پڑھی ہوئی۔ شرایع الاسلام اور میبذی کی شرح ہدا۔ۃ الحکمۃ موجود ہے جس پر قلمی حواشی ہیں۔ وہ تقریر بھی فرماتے اور مجلسیں بھی پڑھتے تھے لیکن حیدر آباد کے بعد انہوں نے یہ سلسلہ ترک کر دیا تھا۔ وہ فارسی شعر و قصائد بھی کہتے تھے۔ اور ملا احمد حسین صاحب موسوی سے اصلاح لیتے تھے یہ ذخیرہ بھی مکمل صورت میں میرے پاس موجود نہیں۔ موجودہ اوراق سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی کو وہ سب چیزیں دے دی تھیں۔ وہ مجھے شعر و شاعری سے روکتے تھے۔ فرماتے تھے اہل علم کا شیوہ نہیں ہے فقط علم دین حاصل کرو۔ اور یہ ذہانت و طباعی کسی اور دینی کام میں صرف کرو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیتہ اللہ مولانا سیّد مرتضیٰ حسین فاضل مرحوم

الحمد لاہلہ و الصلوٰۃ علی اہلہا

کبھی کبھی تاریخ کو بھی اپنے تجربات کی کثرت اور اپنی مہارت کے باوجود ایسے انسانوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو اپنی ذہانت کے سبب اس کی کہن سالی پر سبقت لے جاتے ہیں۔ اور اپنی محنت و مشقت ہمت و شجاعت اور علم و عمل کے نتیجہ میں اسے نئے نئے تجربات سے آشنا کرواکر تاریخ کے بھی استاد بن جاتے ہیں۔ علامہ سید مرتضیٰ حسین مرحوم کی شخصیت بھی کچھ اسی طرح کی تھی۔ وہ ایک کثیر السمت شخصیت کے حامل تھے اور اپنے تقویٰ و تدین، علم و عمل، کردار و گفتار محنت و مشقت، مطالعہ و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے سبب اپنے دور کی رگ رگ میں تر و تازہ خون اور گرم گرم لہو کی مانند دوڑتے رہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کی رحلت "شہید کی موت" کی طرح قوم کی حیات بن گئی ہے۔ وہ اپنی زندگی میں اگر منارہ علم کی آخری بلندی پر روشن ہونے والے چراغ تھے تو ان کی موت نے انہیں اس بلندی سے اتارا نہیں بلکہ اس چراغ کے اوپر روشنی کو ریفلیکٹ کرنے والی ایسی قندیل چڑھا دی ہے جس کے سبب یہ روشنی کئی گنا بھی ہوگئی ہے اور اس کا دائرہ نور بھی بڑھ گیا ہے اب یہ ہم پر ہے کہ ہم آنکھیں موندلیں یا ہماری آنکھیں چکاچوند ہو جائیں یا ہم اس نور سے استفادہ کریں۔ اس قسم کی شخصیتوں پر قلم اٹھانا کوئی آسان کام نہیں ہے پھر علامہ مرحوم پر کچھ لکھنا اس لیے اور بھی مشکل ہے کہ انھوں نے سب پر لکھا۔ شاید ہی کوئی ایسی ہستی ہو جس کی موت پر مولانا نے فوراً" اور برجستہ قلم نہ اٹھایا ہو۔ اسی لیے ان کی رحلت پر کسی کی ہمت ہی نہ پڑی کہ کچھ لکھے اس کے باوجود کچھ حضرات نے لکھا بھی اور چھاپا بھی اور ان ہی تحریروں کو دیکھ کر شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ؟ جو لوگ دل کی گہرائیوں سے ان کی شخصیت پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں ان کو بجا طور پر ایک مستند دستاویز کی ضرورت ہے اس لیے میں اپنے مذہبی، اخلاقی، علمی، سماجی، ملی اور تاریخی فریضہ کے طور پر ان کی شخصیت کا ایک سرسری مگر مستند تعارف فقط اس لیے نذر کر رہا ہوں کہ جو حضرات ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر کام کرنا چاہتے ہیں ان کی ابتدائی ضرورت کو پورا کیا جاسکے۔

وطن

لکھنؤ ایک شہر کا نام نہیں بلکہ نامعلوم کتنی ملتوں کی تاریخ کی جان ثقافتوں کا مرکز علمی مرکز مسلمانوں کے علمی ورثہ کا محافظ و پاسدار بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ لکھنؤ ایک زمانہ میں برصغیر پاکستان و ہند میں اسی حیثیت کا حامل رہا ہے جو

حیثیت مدینہ کو عرب میں حلہ و کوفہ و نجف کو عراق میں اور قم و مشہد کو ایران میں تاریخ کے مختلف ادوار میں حاصل تھی یا ہے۔ یا دوسری لفظوں میں۔ لکھنؤ مسلمانوں کی علمی، تہذیبی، فنی اور مذہبی تاریخ کے ایک بھرپور اور درخشاں دور کا اجمالی نام مخفف ہے اور یہی لکھنؤ اپنے اسی بھرپور اور درخشاں علمی و مذہبی دور کے آخری مراحل میں علامہ مرحوم کی جائے پیدائش ان کا وطن ان کی مادر علمی ان کی پرورش گاہ اوران کے علمی، فکری، مذہبی، سیاسی، ثقافتی افق کی وسعتوں کی بنیاد تھا۔ پھر وہ لکھنؤ ہی میں نہیں بلکہ لکھنؤ کے دل کٹرہ ابوتراب خاں اور فرنگی محل کے گلی کوچوں میں پروان چڑھے ان کی جائے ولادت، ان جغرافیائی، علمی اور ثقافتی حدود کا ایک نفیس محلہ تھا جس کا نام "راجہ بازار" ہے

خاندان

ایک زمانہ تھا جب لکھنؤ کے درو دیوار اور ذرے سے علم و عمل اور فکر و فن کے چشمے پھوٹتے تھے اور وہاں کے جہلا بھی فکری افق کی بلندیوں کو چھوتے تھے اسی زمانہ میں لکھنؤ کے علمی خاندانوں میں ایک خاندان مولانا سید محمد نقوی عرف آغا میرزا مرحوم کا خاندان تھا۔ جو اس دور کے باوقار خاندانون میں سے تھا ان کے فرزند مولانا سید اعجاز حسین نقوی مرحوم اور ان کے فرزند مولانا سید سردار حسین نقوی عرف قاسم آغا مرحوم اپنے اپنے دور کی باوقار علمی اور ثقافتی شخصیتیں تھیں۔ علامہ مرحوم اسی خاندان کے چشم و چراغ اور قاسم آغا صاحب مرحوم کے سب سے بڑے فرزند تھے۔

ان کے چھوٹے بھائی سید علی رضا مرحوم تھے جن کو شعرو ادب میں مہارت حاصل تھی اور انھوں نے ایک لغت بھی تحریر فرمائی تھی جو مخطوط صورت میں محفوظ ہے علامہ مرحوم کا سلسلہ نسب حضرت امام علی نقی علیہ اسلام سے ملتا ہے۔

ولادت

مرحوم نے شہر علم و عمل لکھنؤ کی تاریخ کے اس دور میں ولادت کا شرف حاصل کیا جب وہاں ایسی بہت سی ہستیاں موجود تھیں جو علمی و فقہی حلقوں میں نجف اشرف اور مکہ و مدینہ تک سند تسلیم کی جاتی تھیں۔ اور ان شہروں کے اکابر علماء لکھنؤ کے علمی اداروں اور وہاں کے علماء سے علمی استفادہ کو شرف اور فضیلت سمجھتے تھے۔ چنانچہ آیتہ اللّٰہ العظمیٰ سید شہاب الدین نجفی مرعشی مدظلہ العالی جو قم کے بزرگ علماء میں صف اول کی شخصیت ہیں اور فقہ و حدیث درایت ورجال، فلسفہ و ہیئت، نجوم و فلکیات اور تاریخ و انساب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ لکھنؤ کے اس دور کو یاد فرماتے اور علماء لکھنؤ سے استفادہ کو اپنا شرف بتاتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ علامہ مرحوم نے اس علمی و مذہبی و ثقافتی پس منظر میں بدھ کے دن عید غدیر کی خوشیوں کے دوران 18 ذی الحجہ 1341 ہجری قمری مطابق پہلی اگست 1923 عیسوی کو محلہ راجہ بازار میں آنکھ کھولی۔

تعلیم

ان کے والد نے انھیں بہت کم سنی سے پڑھانا شروع کیا اور تربیت کی خاطر بچپنے ہی سے ان کو اکابر علماء کی خدمت میں حاضری دلوانا اور علمی و ادبی محفلوں میں لے جانا شروع کر دیا جس کا بھرپور اثر ان کی شخصیت میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔بقول ضیا عالم سلمہ " وہ بعض اوقات مقام فخر میں کہا کرتے تھے ہمارا محلّہ پنجتن پاک کا محلّہ کہا جاتا تھا وہاں پانچ بڑے عالم رہا کرتے تھے۔ چاروں طرف علماء کے شریعت کدے تھے۔ لوگ ہم پر رشک کرتے اور کہتے تھے کہ تمھاری تو کروٹ کروٹ جنت ہے گھر میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انھوں نے کٹرہ ابو تراب خاں میں مدرسہ عابدیہ میں اپنے تعلیمی سلسلہ کو آگے بڑھایا۔ جس کے بعد انھوں نے اس دور کے لکھنؤ کی عظیم دینی درسگاہ سلطان المدارس میں قدم رکھا جو اس عہد میں آج کے مدرسہ فیضیہ سے ملتی جلتی حیثیت کا حامل تھا انھوں نے سلطان المدارس میں اپنے تعلیمی مراحل بڑی ذہانت اور تیز رفتاری کے ساتھ طے کیے جس کے نتیجہ میں اساتذہ کی نظر میں ان کا علمی وزن معین ہوا۔ اور علامہ مرحوم اپنے مدرسہ میں طالب علمی کے مراحل طے کرنے کے ساتھ ساتھ استاد، محقق، منطقی اور ادیب کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے سلطان المدارس کی آخری سند صدر الافاضل تھی۔ علامہ مرحوم اس سند کے حصول تک علمی اور ادبی دنیا کی ایک جانی پہچانی شخصیت بن چکے تھے۔ اس کے باوجود ایک تو اس حدیث کے مصداق جس میں ہے کہ " طالب علم کی نیت کبھی سیر نہیں ہوتی" ان کی علمی پیاس کبھی نہ بجھی - دوسرے یہ کہ مدرسہ ناظمیہ بھی اس عہد میں سلطان المدارس کا ہم وزن وہم پلہ مدرسہ تھا اور عام طور سے ان دونوں مدرسوں کے طلبہ کے درمیان علمی چشمک رہتی تھی جب کہ علامہ مرحوم مزاجاً" اس قسم کے مسائل میں الجھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے یہاں سے علمی مراحل طے کرنے کے بعد وہ مدرسہ ناظمیہ چلے گئے ناظمیہ آنے پر وہاں کے اساتذہ وطلبا نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا وہاں بھی انھوں نے طالب علم استاد' اسکالر اور محقق کی حیثیت سے مقام پیدا کیا اور وہاں کی آخری سند ممتاز الافاضل حاصل کی۔

دینی تعلیم کے ان مراحل طے کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ادب تاریخ اور ثقافت پر کام کرتے رہے نیز جدید تعلیمی اداروں اور وہاں کے اکابر سے مربوط رہے یوں علامہ مرحوم نے اس عہد میں آج کے شہید مطہری، شہید ڈاکٹر مفتح اور شہید ڈاکٹر بہشتیؒ کی طرح " وحدت حوزہ و دانشگاہ " یعنی دینی مدارس اور جدید تعلیمی اداروں کے اساتذہ و طلبہ کے درمیان فکری و عملی خلا کو پر کرنے اور ان دونوں کو ایک دوسرے سے مل جل کر رہنے کے لئے آمادہ کرنے کی سعی کی۔ اس مقصد کی خاطر انھوں نے مدرسہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیمی اداروں کے علمی مراحل بھی طے کئے۔ چنانچہ انھوں نے الہ آباد بورڈ سے مولوی عربی' عالم عربی' کامل فاسی اور قابل اردو شیعہ عربی کالج سے عمادالادب عربی اور عماد الکلام عربی لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب عربی اور دبیر کامل فارسی نیز پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل عربی منشی

فاضل فارسی اور اردو فاضل اردو کی سندیں بھی حاصل کیں۔ اس کے بعد انھوں نے بہت سے تحقیقی کام انجام دینے کے بعد نجف اشرف کا سفر کیا اس عظیم علمی مرکز میں انھوں نے اپنے مختصر سے قیام میں وہاں کے اکابر سے جو علمی مباحثے اور مذاکرے کیے ان کے سبب اکابر علماء نے ان کے علمی مقام اور تحقیقی کاوشوں کو سراہا اور ان کو سب سے اہم علمی سند "اجازہ روایت حدیث" دیا جس کے سبب وہ "شیخ الحدیث" کے لقب کے حامل قرار پائے۔

اجازہ ہائے روایت حدیث

علامہ مرحوم کے اجازہ ہای روایت حدیث درج ذیل علماء اعلام نے مرقوم فرمائے ہیں۔

1- آیتہ اللہ العظمی سید شہاب الدین نجفی مرعشی مدظلہ العالی قم
2- آیتہ اللہ شیخ محمد رضا طبسی نجفی رحمتہ اللہ علیہ نجف و قم
3- آیتہ اللہ سید مروج جزائری شوستری رحمتہ اللہ علیہ نجف
4- آیتہ اللہ شیخ محسن آغا بزرگ طہرانی رحمتہ اللہ علیہ نجف
5- آیتہ اللہ سید محمد حسن لکھنوی کربلائی کربلا
6- آیتہ اللہ سید محمد حسین لکھنوی رحمتہ اللہ علیہ لکھنؤ
7- حجتہ الاسلام عمدۃ العلماء سید کلب حسین رحمتہ اللہ علیہ لکھنؤ
8- حجتہ الاسلام سید طیب آغا موسوی جزائری قم

شادی

30 شعبان 1366ھ - ق - 19 جولائی 1947ء کو علامہ مرحوم کی شادی اس عہد کے انتہائی مقدس، متقی، پرہیز گار محدث اور عالم علامہ سید زاہد حسین بارھوی زیدی عرف آغائے بارھوی رحمتہ اللہ علیہ کی سب سے بڑی صاحب زادی سیدہ خاتون عالم عرف خاتون عالم سے ہوئی یہاں سے ان کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا جس کے بعد خداوند عالم نے انہیں آٹھ بیٹوں اور ایک بیٹی کی نعمت سے نوازا جن میں سے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی زندہ ہیں۔

سفر

علامہ مرحوم نے اپنی علمی پیاس بجھانے اور تحقیقی کاموں کی تکمیل کی خاطر پاکستان و ہندوستان کے مختلف شہروں کے علاوہ بنگلادیش، مشرق وسطی اور امریکا کے سفر بھی انجام دیئے جن کی فہرست یہ ہے۔

1۔ 1389ھ 1969ء

کویت، عراق، شام، لبنان

2_ 1389ھ 1970ء
کویت، سعودی عرب، پہلا حج

3_ 1396ھ 1976ء
سعودی عرب، دوسرا حج

4_ 1399ھ 1979ء
جمہوری اسلامی ایران

5_ 1402ھ 1982ء
جمہوری اسلامی ایران

6_ 1403ھ 1983ء
بنگلادیش

7_ 1404ھ 1984ء
جمہوری اسلامی ایران

8_ 1406ھ 1986ء
امریکا

9_ 1407ھ 1987ء
ہندوستان

ان سفروں میں انہوں نے خاص طور سے صدر اسلام کے جغرافیائی مسائل و معاملات، سیرت، حدیث، تفسیر اور فقہ کے موضوعات پر اہم تحقیقی کام انجام دیئے اکابر علماء و محققین سے علمی مذاکرات و مباحثات کیے تحقیقی و تعلیمی اداروں اور کتاب خانوں کے ساتھ علمی و تحقیقی تعاون کیا اور سیمینارز میں شرکت کی۔

علم و ادب کا امتزاج

علامہ مرحوم زمانہ طالب علمی ہی سے سامراج دشمن اور انگریز دشمن نظریات کے حامل تھے وہ خاص طور سے دینی مدارس اور یونیورسٹیوں، علما اور دانشوروں نیز علماء اور سیاست دانوں کے درمیان موجود خلیج اور فاصلہ کو اسلام کے خلاف دشمنان اسلام کی سب سے بڑی سازش سمجھتے تھے ان کا کہنا تھا کہ دین اور سیاست ادب اور مذہب میں جدائی کا تصور تو دور کی بات ہے یہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتے ہمیشہ اچھا عالم اچھا ادیب اور سچا مومن ماہر سیاستدان ہوتا ہے اسی لیے انہوں نے نہ صرف یہ کہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی کی تعلیم بھی حاصل کی بلکہ ان

دونوں تعلیمی نظاموں کا فنی و تحقیقی مطالعہ بھی کیا اور ان دونوں نظاموں میں امتزاج پیدا کرنے کے موضوع پر عملی کام بھی کیا۔ چنانچہ انھوں نے ایک طرف تو عالم دین ہونے کے باوجود اپنی علمی زندگی کے ایک بڑے حصہ کو سرکاری اور جدید طرز تعلیم کے تعلیمی ادارے میں استاد کی حیثیت سے گزارا اور گھر پر تفسیرہ حدیث فقہ و کلام منطق و فلسفہ صرف و نحو اور تاریخ و ادب کا درس دیتے رہے تحریرو تقریر کے میدان میں بھی ادب اور مذہب کو برابر کی اہمیت دی چنانچہ جہاں انھوں نے مذہبی دنیا میں عظیم علمی مرتبہ حاصل کیا اور اکابر علماء سے کسب فیض کیا وہیں ادبی حلقوں میں بھی انھوں نے جو مرتبہ حاصل کیا وہ ان کے ہم عصروں کے لیے قابل رشک ہے۔

ادبی حلقوں میں انھوں نے حکیم صاحب عالم، پروفیسر مسعود حسن، محشر لکھنوی، تمنا لکھنوی، بے خود موہانی اور مرزا یاس چنگیزی سے شعرو سخن لغت و ادب اور زبان و بیان کی باریکیوں کو سمجھا ان کے تاریخی مراحل اور ارتقائی مدارج کا مطالعہ کیا نقد و نظر کی استعداد پیدا کی اور اس میدان میں ایک پختہ شہسوار کی طرح اتر آئے اور تیزی سے اپنے بہت سے ہم عصروں پر سبقت لے گئے۔ ادب میں وہ غالبیات کے ماہر تھے اور غالب کی صد سالہ برسی کے موقعہ پر روس میں ہونے والے بین الاقوامی تحقیقاتی سیمینار میں محققین کے بورڈ نے متفقہ طور پر

فاضل لکھنوی اور مالک رام

کو غالب کے مستند ترین ماہر ہونے کی سند دی اور ان کے تحقیقی کاموں کو نمونہ کا کام قرار دیا۔ لغت و ادب کے میدان میں انھوں نے جو کام کیے ان کے نتیجہ میں وہ اس عہد کے اکابر ادبا و شعرا و ماہرین لغت کی صف اول کے افراد جیسے مولانا غلام رسول مہر، امتیاز علی خاں عرشی، مالک رام، امتیاز علی تاج، حمید احمد خان، مولوی محمد شفیع، سید عبد اللہ، نسیم امروہوی اور بابائے اردو مولوی عبدالحق کی صف میں شمار ہونے لگے اور ادب، لغت، لسانیات اور قواعد پر ان کا کام سند کا درجہ رکھتا ہے اور اسے اردو ادب کی تاریخ میں بلند مقام حاصل ہے۔

مذہب اور ادب کے علاوہ وہ باستان شناسی (آثار قدیمہ کی شناخت) خطیقہ شناسی، تاریخ، جغرافیہ، کتاب شناسی، کتاب داری، فن تحقیق، فلسفہ، منطق، عربی و فارسی ادب، جمالیات، فن تعمیر، رجال، فن تحقیق، ترجمہ نگاری اور مقالہ نگاری کے علوم و فنون میں وسیع معلومات کے حامل اور صاحب نظر تھے انھوں نے اپنی مہارت کے تمام میدانوں میں ملک اور بیرون ملک کے تحقیقی اداروں، یونیورسٹیوں، تعلیمی بورڈز، لائبریریوں، مدرسوں، میوزیمز اور انجمنوں کو بھر پور تعاون دیا اور شائقین کی تربیت بھی کی۔ جن اداروں سے انھوں نے تعاون کیا ان کی تعداد سو سے زائد اور جن شاگردوں کی انھوں نے تربیت کی ان کی تعداد ہزاروں پر محیط ہے۔

سیاست

سیاسی میدان میں ہمیشہ پختہ اور ایمان دار سیاست کو پسند کرتے تھے تخریبی سیاست سیاسی رسہ کشی اور مخالفین کی

کردار کشی نیز منفی سیاست سے نفرت کرتے تھے وہ مذہبی اور سیاسی فرقہ واریت کو غیر مخلص قیادت بے بصیرتی اور ملک دشمن عناصر کی ریشہ دوانیوں نیز سامراجی سازش کا نتیجہ خیال کرتے تھے۔

علامہ مرحوم فقط اتحاد بین المسلمین کے سب سے بڑے داعی ہی نہیں تھے بلکہ وہ اس روش کو بھی غلط کہا کرتے تھے جس کے سبب سیاسی مخالفین آپس میں ایک دوسرے کے جانی دشمن بن کر ایک دوسرے پر گھناونے الزامات لگا کر ان کو میدان سے بھگانے کی کوشش کرتے تھے اسی لیے علامہ مرحوم نے فرقہ واریت کے خلاف اور اتحاد المسلمین کے حق میں زندگی بھرپور جہاد کیا یہی وجہ ہے کہ سنی، شیعہ علمی حلقوں میں وہ برابر کی عزت اور مقام کے حامل تھے اور دونوں مذاہب کے دینی مدارس اور تحقیقی اداروں نیز علماء سے ان کے بہت قریبی اور دوستانہ رواسم تھے۔

سماجیات

علامہ مرحوم انتہائی خلیق ملنسار مرنجان مرنج منکسر مزاج، راز دار غریب پرور شفیق رحم دل پابند عہد پابند وقت منظم اور درد دل رکھنے والے عظیم انسان تھے وہ ہر ایک سے مل جل کر رہتے تھے۔ یہاں تک کہ دشمنوں کو بھی گلے لگا لیتے تھے اور ان کے دکھ درد میں شرکت ضرور کرتے تھے۔ ان کی نصیحت اور ان کا عمل ہمیشہ یہی تھا کہ خواہ کسی کی خوشی میں شرکت نہ کرو مگر دکھ درد بیماری غمی اور موت میں ضرور شریک ہو خواہ وہ تمہارا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ موت پر سب دشمنیاں اور نفرتیں ختم ہو جانا چاہییے اگر باپ کا قاتل بھی مقتول باپ کے جنازے پر آجائے تو اس کو معاف کردینا اور گلے لگا لینا چاہییے اسی لیے ان کے دشمن اور مخالف بھی ان کا احترام کرتے اور ان سے ملتے رہنے کو اپنے لئے شرف و سعادت سمجھتے تھے۔

علامہ مرحوم کے علمی کارناموں سیاسی افکار اور سماجی خدمات کے بارے میں انشااللہ بعد میں مفصل معلومات نذر کی جائیں گی اس وقت ہم "بوستان فاضل" کے نام سے ان کے تالیفات کی ایک فہرست نذر کر رہے ہیں جس میں ان کی 310 کتابوں میں سے 225 کتابوں کے نام موجود ہیں یہ کتابیں ان کے ان مضامین اور تحقیقی اور ادبی و مذہبی رسالوں اور جرنلز میں اردو فارسی اور عربی زبان میں ہزار ہا کی تعداد میں شائع ہوئے یا مختلف کتابوں کے مقدموں اور دیباچوں کے طور پر چھپے ہیں۔ خاص طور سے وہ تحقیقی مقالات جو اردو اور عربی انسائیکلو پیڈیا زمیں شائع ہوئے ہیں اور وہ جو اندرون ملک اور بیرون ملک دو سو سے زائد تحقیقی سیمینارز اور کانفرنسوں میں پڑھے گئے ہیں۔

رحلت

یہ عظیم ہستی اتوار 27 ذی الحجہ 1407ھ مطابق 23 اگست 1987ء کو میو اسپتال لاہور کے ایسٹ میڈیکل وارڈ میں 9 بجے صبح کے قریب دار فنا سے دار بقا کی جانب پرواز کرگئی۔ "انا للہ و انا الیہ راجعون"

ان کی تشیع جنازہ میں لاکھوں شیعہ سنی علماء و عوام نے شرکت کی اور شیعہ سنی دونوں طریقوں کے مطابق نماز جنازہ ادا کی گئی۔

روضہ

علامہ مرحوم کو ان ہی کے رہائشی محلہ میں مسجد شاہ کمال کے عقبی دروازے کے قریب ان کے بھائی سید علی رضا مرحوم کے نزدیک قبرستان شاہ کمال میں سپرد خاک کیا گیا۔ نور اللہ مرقدہ الشریف

وصیت

سب کے لیے ان کی وصیت فقط ایک ہی تھی ولاتموتنّ الّاوانتم مسلمون (قرآن) صرف اور صرف اسلام پر جان دینا اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ مرحوم کے درجات کو بلند کرے ان کو اپنے دامن رحمت اور جوار آئمہ اہل بیتؑ و حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مقام بلند عنایت فرمائے اور ہمیں اسلام کی راہ میں جان قربان کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین بحق محمدؐ و آلہ الطاہرینؑ

سید حسین مرتضیٰ
لاہور پاکستان

اِرشادِ امامِ عالی مقام

حضرت امام جعفر صادقؑ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ

(۱) اگر کسی وقت دشمنوں سے خوف ہو تو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ۔ پڑھو۔

(۲) اگر لوگ تمہارے در پئے آزار ہوں تو اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ کا ورد کرو۔

(۳) اگر دنیا کی زینت درکار ہے تو مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھا کرو۔

(۴) اگر کسی غم میں مبتلا ہو تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ پڑھا کرو۔

حروف ابجد اور اُن کے اعداد

حرف	اعداد	حرف	اعداد	حرف	اعداد	حرف	اعداد
ا	۱	ح	۸	س	۶۰	ت	۴۰۰
ب	۲	ط	۹	ع	۷۰	ث	۵۰۰
ج	۳	ی	۱۰	ف	۸۰	خ	۶۰۰
د	۴	ک	۲۰	ص	۹۰	ذ	۷۰۰
ھ	۵	ل	۳۰	ق	۱۰۰	ض	۸۰۰
و	۶	م	۴۰	ر	۲۰۰	ظ	۹۰۰
ز	۷	ن	۵۰	ش	۳۰۰	غ	۱۰۰۰

کسی واقعے کی تاریخ نکالنے کے لئے

حجتہ الاسلام سید حسین مرتضیٰ صاحب

بوستان فاضل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد لاہلہ و الصلوۃ علیٰ اہلہا

سیر بوستان:

علامہ حاج سید مرتضیٰ حسین اعلیٰ اللہ مقامہ الشریف، علم و ادب کی دنیا کے آفتاب نصف النہار تھے۔ وہ دینی حلقوں میں صدر الافاضل اور ادبی حلقوں میں فاضل لکھنوی کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ مرحوم ایک بین الاقوامی اور ہر لحاظ سے جہان اسلام کی ایک متفق علیہ اور مسلم علمی شخصیت تھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ طفولیت سے قلم سنبھالا اور پہلی جماعت سے لکھنا شروع کیا۔ ان کا کہنا تھا:

کلام النہار یمحوہ اللیالی

سواد المداد ینور التاریخ

___ راتیں، دن کی گفتگو کو مٹا دیتی ہیں،

مگر ___

روشنائی، کی سیاہی تاریخ کو منور کر دیتی ہے ___ ہم نے پانچ سال کی عمر سے ابی مرحوم کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا اور ان کو ہمیشہ لکھتے ہوئے پایا۔ رات 2 بجے ہوں یا صبح کے 3 جب بھی آنکھ کھلی ان کو یا لکھتے دیکھا یا محو مطالعہ، ہم لوگ اکثر پوچھا کرتے تھے:

ابی!

آپ سوتے کب ہیں؟

اور اس کے جواب میں وہ ہمیشہ مسکرا کر خاموش ہو جایا کرتے تھے۔

آخری ایام میں جب ان کی صحت کمزور ہو چکی تھی اور ڈاکٹروں نے ان کو لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا تھا، اسپتال تک میں وہ کتابیں منگوا کر مطالعہ اور تحریر کا کام جاری رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ان دنوں جب ان کے لئے چلنا پھرنا اور

اٹھنا بیٹھنا بھی سہارے کے بغیر ممکن نہیں تھا وہ ان دنوں بھی آنکھ بچا کر مطالعہ اور تحریر کا کام کر ہی ڈالتے تھے۔ رحلت سے ایک دن قبل چند لمحے کے لئے ابی مرحوم کے کمرے سے باہر آیا۔ جب واپس پہنچا تو دیکھا کہ ایک مسودہ مرتب کر کے فائل میں رکھ رہے تھے۔ بڑے ادب سے عرض کی:

"ابی--- آپ پر بوجھ پڑے گا۔ چھوڑ دیجئے ہم کر دیں گے"۔

لپٹا کر پیار کیا اور فرمانے لگے:

"بیٹا--- جی نہیں مانتا' کیا کروں؟ نہ کروں تو الجھن ہونے لگتی ہے' بھائیوں کو سمجھا دو مجھے پڑھنے لکھنے سے نہ روکا کریں"۔

گھر میں مہمانوں کا شور ہو یا بچوں کی اودھم' وہ اپنے کام میں محو رہتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنی زندگی میں نہ صرف تحقیقی' ادبی' علمی اور مذہبی دنیا کی روح رواں تھے' بلکہ حکومت کے تعلیمی و تحقیقی اداروں' ملی و قومی سیاست اور تعلیمی و فنی دنیا کی بھی جان تھے۔ نیز ہر سطح ہر مذہب و ملت نیز ہر فن اور فرقے کے اکابر و عوام ان سے رجوع کرتے اور اپنی مشکلات کا حل پاتے تھے۔

یہی سبب ہے کہ انھوں نے اپنی 64 سالہ زندگی میں علم و ادب کے مختلف شعبوں میں کم از کم تین سو دس تالیفات بطور یادگار چھوڑیں۔ جو ان مضامین و مقالات کے علاوہ ہیں جو ہزاروں کی تعداد میں دنیا بھر کے علمی و ادبی و تحقیقی رسالوں' مجلوں' روزناموں اور عربی و اردو کی انسائیکلو پیڈیاز میں اردو' عربی اور فارسی زبانوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر تالیفات مرحوم کے کتابخانہ میں مل گئی ہیں۔ بعض کا تذکرہ ان کی متفرق تحریروں اور تالیفات میں مل گیا ہے اور چند ایسی بھی ہیں جن کا نام و نشان ابھی تک نہیں مل سکا۔

ابی مرحوم کی رحلت کے بعد میں نے سب سے پہلے ان کی روح کی بالیدگی اور محققین کے احترام کی ادائیگی کے لئے چار دن مستقل مرحوم کے کتابخانہ میں بیٹھ کر ان کے تالیفات کی فہرست کی تیاری کا کام کیا۔ چنانچہ ان کے تالیفات کا جو ریکارڈ یکجا تھا اور جو سامنے تھا' اس کے مطالعہ کے بعد یہ فہرست مرتب کی ہے جس کا ایک حصہ ان تالیفات کی فہرست پر مشتمل ہے جو چھپ چکی ہیں۔ دوسرا حصہ ان تالیفات کی فہرست پر مشتمل ہے جو غیر مطبوعہ اور قلمی ہیں۔ البتہ ان دونوں حصوں میں فقط ان کتابوں کے نام درج ہیں جو ہمارے پاس موجود ہیں۔ تیسرے حصہ میں ان کتابوں کی فہرست دی گئی ہے جن کا کوئی نسخہ فی الحال ہماری دسترس میں نہیں ہے۔ان میں کچھ مطبوعہ ہیں اور کچھ غیر مطبوعہ' مگر ان کے نام ان کی مختلف تحریروں اور کتابوں میں موجود ہیں۔ ممکن ہے یہ کتابیں ان کے کتابخانہ ہی میں گم ہوں اور جب پورے کتاب خانہ کی فہرست تیار ہو تو یہ کتابیں بھی مل جائیں۔ کیونکہ بعض کتابوں کے بارے میں ان کی یادداشتوں میں یہ ملتا ہے کہ ان کے مسودے یا اصل نسخے انھوں نے اپنے احباب کو عاریتاً دیئے ہیں جو واپس نہیں ملے۔ چند کتابوں کے بارے میں بھائیوں نے یہ بتایا کہ وہ مختلف پبلشرز کو چھپنے کے لئے دے چکے ہیں۔ نیز

1408/1/7ھ/1987/9/1ء کو امریکہ سے مرحوم کے نام ایک صاحب کا خط وصول ہوا جس میں انہوں نے مرحوم کی کسی تصنیف کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ وہ کن مراحل سے گزر رہی ہے۔ مگر نام نہیں لکھا۔

بہرحال، اس وقت جو فہرست حاضر کی جا رہی ہے وہ اگرچہ ناقص ہے، مگر قطعی ضرور ہے۔ یعنی ان کتابوں کے ان کی تصنیف وتالیف ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ناقص ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے " قرآنی قاعدہ اور دینیات " پر تالیف نمبر 269 لکھا ہے۔ یہ کتاب 1975ء میں چھپی ہے، اور 1987ء تک بارہ برس کا فاصلہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس عرصہ میں انہوں نے کم از کم سو کتابیں ضرور لکھی ہوں گی۔ کیونکہ اس دور میں ان کی تصنیف و تالیف کی رفتار بہت تیز ہو گئی تھی پھر، آپ فہرست میں بھی دیکھیں گے کہ مرحوم کی بہت سی تصنیفات 1975ء کے بعد کی لکھی یا چھپی ہوئی ہیں اور اگر 1975ء کے بعد کی چھپنے والی کتابوں کو 269 کے بعد سے گنا جائے تب بھی یہ تعداد 310 سے بڑھ جاتی ہے، یا مثال کے طور پر، تذکرہ مرثیہ گویاں خود میرے نام کے ساتھ موجود تھی جو ابھی تک مجھے نہیں مل سکی۔

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ مرحوم کا دستور تھا کہ وہ کتاب کے بارے میں کبھی بھی بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔ وہ اسے طالب علم کی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ اگرچہ بہت سے احباب عاریت لی ہوئی کتابیں، واپس نہیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اسی اخلاقی شان کے سبب اپنے خصوصی نسخے اور مسودے بھی احباب کو عاریت دینے میں کوتاہی نہیں کی۔ اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان کے بعض احباب نے اس حد تک خیانت کی کہ ان کے اصل مسودے کو غائب کر کے اسے اپنے نام سے چھپوا دیا۔ لیکن انہوں نے اس قسم کے ایک واقعہ کے علاوہ کسی اور واقعہ کو قلمبند کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

آخر میں ہم قارئین کرام، اور دوسرے حضرات سے درخواست کرتے ہیں کہ مرحوم کے جو تالیفات ان کے پاس موجود ہیں ان کی اصل یا کم از کم فوٹو کاپی ہمیں عنایت فرما کر قیمت وصول کر لیں تاکہ ان کے تالیفات کا ریکارڈ مکمل کیا جا سکے۔

باقی صفحہ 130 پر

علامہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی
(ماہر غالبیات و انیسیات)

ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری

خدائے بزرگ و برتر آل عباؑ کے صدقے میں علامہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی کو غریق رحمت کرے۔ جن سے میری ملاقات پہلی مرتبہ 13 جنوری 1987ء کو ڈاکٹر کلب صادق کے شریعت کدے پر لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ علامہ موصوف مشہور عالم دین آقائے شریعت مولانا کلب عابد صاحب قبلہ مرحوم کی مجلس چہلم کے سلسلے میں لکھنؤ تشریف لائے تھے۔ راقم حروف بھی تاریخ مذکورہ کو صبح نو بجے ڈاکٹر کلب صادق کی خدمت میں مولانا کلب عابد صاحب مرحوم کی تعزیت اور پرسے کے لئے حاضر ہوا تھا۔ میں نے وہاں ایک اور عالم دین کو دیکھا انہیں دیکھ کر مجھ پر رعب طاری ہوا۔ ڈاکٹر موصوف نے تعارف کرایا' اور فرمایا کہ یہ علامہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی ہیں۔ یہ سنتے ہی میرے ہاتھ پیر پھولنے لگے۔ اور "آنا" فانا" ماتھا ٹھنکنے لگا۔ میں ان کی صورت سے بالکل ناآشنا تھا۔ صرف ان کی نگارشات اور تصنیفات سے واقف تھا۔ مجھے یہ ہرگز معلوم نہیں تھا کہ علامہ عالم دین بھی تھے۔ میں انہیں ایک محقق اور ادیب سمجھتا تھا۔ جنہیں غالبیات 'انیسیات اور دبیریات میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ ہم دونوں میں صرف ادبی رشتہ تھا۔ اور دونوں نقوش لاہور میں لکھتے تھے۔ اور دونوں ایک دوسرے کی صورت سے بالکل اجنبی تھے۔ علامہ کی نگارشات کو میں ہمیشہ پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ ان کی تحقیق ٹھوس بنیادوں پر ہوتی تھی۔ اس لئے میں ان کے کارناموں سے زیادہ مانوس تھا۔ ایک دفعہ میں نے ان کے بارے میں لاہور سے دریافت کیا تھا۔ تو ایک صاحب نے مجھے غلطی سے لکھا کہ سید مرتضیٰ حسین صاحب فاضل لاہور کے میوزیم میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہیں اس لئے میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ موصوف بھی ہماری طرح کوٹ پتلون پہنے ہوں گے۔ اب جو میں نے عبا' قبا اور بڑا عمامہ پہنے دیکھا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر ان کی خدمت میں معافی مانگی۔ کیونکہ میں نے ان کی تحریروں پر کئی مرتبہ تنقید کا لہجہ قدرے تیز رکھا تھا۔ اس پر مولانا مسکرائے۔ کھڑے ہوئے اور مجھے گلے لگالیا۔ جتنی دیر تک ہم وہاں بیٹھے رہے۔ میری چشم تصور میں گویا علامہ مفتی محمد عباس قبلہ گھوم رہے تھے۔ مرزا غالب علامہ مفتی صاحب کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اور عالم و فاضل ادیب بھی سمجھتے تھے۔ مفتی صاحب شاعر بھی تھے۔ اور سید تخلص کرتے تھے۔ وہ بھی علامہ فاضل کی طرح اردو کے ادیب تھے۔

علامہ سید مرتضیٰ حسین میرے لئے اپنی کچھ تصانیف بھی لائے تھے۔ ڈاکٹر کلب صادق صاحب سے ہم دونوں رخصت ہو کر جناب ڈاکٹر شبیہہ الحسن صاحب کے گھر گئے۔ فاضل صاحب قبلہ وہیں قیام فرماتے تھے۔ یہاں سے ہم

ڈاکٹر نیئر مسعود صاحب کے مکان پر گئے۔ ان سے ویزا میں ایک ہفتے کی معیاد بڑھانے کے لئے جناب گوپی چند نارنگ صاحب جناب ڈاکٹر خلیق انجم صاحب اور جناب مالک رام صاحب کے نام فاضل صاحب کے لئے سفارشی خطوط بھی لکھوائے۔ 15 جنوری علامہ دہلی سے واپس آ گئے اور ہم سے فرمایا کہ میں سفارت خانے پر گیا۔ اور انہوں نے فوراً ویزا کی معیاد بڑھا دی۔ موصوف اپنے چند روزہ قیام لکھنؤ میں ندوۃ العلماء کے کتب خانے بھی گئے تھے۔ ایک قلمی نسخہ بیماری کے عالم میں دیکھنے کے لئے آزاد لائبریری علی گڑھ بھی گئے تھے۔ مرحوم مجلسیں بھی خوب پڑھتے تھے۔ مولانا کلب عابد مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے ایک مجلس سلطان المدارس میں پڑھی۔ راقم الحروف بھی مجلس میں موجود تھا۔ علمی مجلس تھی۔ جو کچھ پڑھا' قرآنی نکات سے اسے ثابت کیا۔ 25 جنوری لکھنؤ سے لاہور بذریعہ ہوائی جہاز واپس چلے گئے۔ یکم مارچ مجھے ذیل کا خط لاہور ہسپتال سے لکھا تھا۔

"میں لکھنؤ سے گرتا پڑتا لاہور پہنچا' اور گھر سے دو دن بعد ہسپتال' آج یکم مارچ ہے اور میں ہسپتال کے ایک صاف شفاف روشن خصوصی کمرے میں ہوں۔ ابھی تک نہیں معلوم کب چھٹی ملے گی' ورم اور اسہال کے خاتمے پر درد گردہ۔ ان دنوں ٹسٹوں کے نتیجے اور ڈاکٹر صاحب کے فیصلے کا انتظار ہے۔ علیل پہلے تھا' مگر لکھنؤ پہنچ کر جو حالت ہوئی ہے۔ اس حالت تک کبھی نہیں پہنچا تھا۔ آخر کار وہاں نہ ملاقاتیں کر سکا نہ مطالعات' نہ میل جول' نہ خرید کتب۔ انتہا یہ ہے کہ آپ جیسے دوست دار کے ساتھ ملاقات اور گفتگو سے بھی محروم رہا۔ تذکرہ میر حسن اور دبستان دہلی لکھنؤ پر جواد زیدی صاحب کی کتاب حاصل نہ کر سکے' کا بے حد دکھ لے کر پلٹا۔ آپ کا پتہ بھی معلوم نہیں۔ نیئر صاحب کو زحمت دے رہا ہوں۔ وہ آپ تک خط پہنچائیں گے۔ آپ کے خطوط پوسٹ کر دیئے۔ عبداللہ قریشی صاحب کی کتاب گھر جاؤں گا تو مجبوراً" پوسٹ کروں گا۔ خود نہ مل سکوں گا۔ سب کو سلام و امیدوار دعا (سید مرتضیٰ حسین فاضل)

ایک اور خط مورخہ 3 مئی 1986ء میں لکھتے ہیں۔

محترمی و مکرمی ڈاکٹر صاحب

سلام و رحمت

"میں لکھنؤ سے آ کر ایسا بیمار ہوا کہ صاحب فراش ہو گیا۔ ہسپتال میں رہا' ڈاکٹروں کا رہین کرم و تختہ عشق و محبت رہا۔ مرض بڑھتا ہی گیا۔ اب ڈیڑھ ماہ سے طبیب کا علاج شروع کر رکھا ہے۔ ورم' اسہال' ضعف بدن' ضعف چشم نے چلنا پھرنا بند کر دیا۔ کیا پڑھنا اور کیا لکھنا۔ آپ کی کتاب عبداللہ قریشی صاحب کو اور خط بذریعہ ڈاک احباب کو بھیج چکا۔ یہ خط 27 اپریل کا جواب ہے۔ مطالعہ کتاب اور اظہار نظر کا شکریہ۔ بھائی اگر مجلس کی تصویر بھیج دیں تو تاریخ ہو جائے۔

میں اپنی آخری اور تازہ تصویریں بھیج رہا ہوں۔

آخر میں عید الفطر کی مخلصانہ تبریک عرض ہے۔ اللہ آپ کو مزید علمی کام کرنے کی ہمت فرمائے۔ بچوں کو دعائیں۔

فقط

مرتضیٰ حسین

مرتضیٰ حسین فاضل قبلہ نے ان دونوں خطوں میں عبد اللہ قریشی کا ذکر کیا ہے۔ یہ ماہر اقبالیات مولوی محمد عبد اللہ قریشی ہیں۔ میں نے فاضل صاحب کو ان کے لئے اپنی کتاب "تحقیقات حیدری" پہنچانے کے لئے دی تھی۔ محمد عبد اللہ قریشی نے مجھے خط میں لکھا کہ کتاب لے کر خود فاضل صاحب ان کے پاس گئے تھے۔ اسی طرح جاوید طفیل ایڈیٹر نقوش لاہور نے اپنے ایک خط میں راقم الحروف کو لکھا تھا۔ کہ سید مرتضیٰ حسین فاضل خط لے کر دفتر نقوش بہ نفس نفیس آئے تھے۔ بقیہ خطوط انہوں نے کراچی اور اسلام آباد ٹکٹ لگا کر پوسٹ کئے تھے۔ جس تصویر کا ذکر انہوں نے اپنے خط میں کیا تھا۔ وہ مولانا کلب عابد صاحب مرحوم کی مجلس چہلم میں لاکھوں کے مجمع میں غفراں ماب امام باڑہ لکھنؤ میں جاکے اتروائی تھی۔ اس خط کے بعد ہی وہ مولانا کو بھیجی گئی تھی جو اپنی تصویریں انہوں نے مجھے بھیجی تھیں۔ وہ واقعی ان کی آخری اور تازہ تصویریں تھیں۔ ان میں سے ایک تصویر پر انہوں نے اپنے ہاتھ سے نام کے ساتھ 21 مارچ 1987ء کی تاریخ بھی لکھی تھی۔

قلم میں اتنا دم کہاں کہ ہم علامہ سید مرتضیٰ فاضل لکھنوی کی موت کے بارے میں کچھ لکھیں۔ مولانا اعلیٰ اخلاق و صفات کے پیکر تھے۔ ان کا انتقال 23 اگست بروز شنبہ 1987ء کو صبح نو بجے لاہور ہسپتال میں ہوا۔ ان کے چہلم کے سلسلے میں 18 اور 19 اکتوبر کو دو روزہ سیمینار کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ سیمینار کے علاوہ "بزم فاضل" کے نام سے ایک یادگار کمیٹی زیر سرپرستی ڈاکٹر عبادت بریلوی قائم کر دی گئی۔

علامہ فاضل لکھنوی نے 1947ء میں سلطان المدارس لکھنؤ سے صدر الافاضل کی سند حاصل کی تھی۔ انہیں عربی، فارسی، حدیث، تفسیر، فقہ، رجال اور دیگر علوم و فنون میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان گئے اور لاہور میں مقیم رہے۔ یہاں کے بڑے بڑے محققین اور ادیبوں سے رابطہ بڑھایا۔ جن میں صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، مولانا غلام رسول مہر، شیخ محمد اکرام، سید عبد اللہ، حکیم محمد یوسف حسن ایڈیٹر نیرنگ خیال لاہور، محمد طفیل، ایڈیٹر نقوش لاہور سید عابد علی عابد، آغا محمد باقر قابل ذکر ہیں۔ فاضل صاحب نے پنجاب یونیورسٹی لاہور کتب خانہ خوب کھنگالا تھا آپ کے مضامین ماہ نو کراچی، صحیفہ لاہور، نقوش لاہور، سہ ماہی اردو کراچی، افکار کراچی اور آج کل دہلی وغیرہ میں چھپتے تھے۔ ایران گئے تو وہاں "توحید" کے ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھ رہے تھے۔ موصوف کی کتابیں ہندوستان میں نہیں مل رہی ہیں۔ اس لئے چند کتابوں کے بارے میں روشنی ڈالی جاتی ہے۔

مطلع انوار، ناشر، خراسان اسلامک ریسرچ سنٹر کراچی، کل صفحات 768 یہ علمائے شیعہ کا ضخیم تذکرہ ہے۔ جسے مولانا نے کم و بیش پندرہ سال کے عرصہ دراز میں مکمل کیا تھا۔ یہ تذکرہ لکھنے کی فرمائش جن لوگوں نے کی تھی۔ ان میں مولوی محمد شفیع صدر اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور اور ماہر غالبیات و اقبالیات جناب شیخ محمد اکرام صاحب قابل ذکر ہیں۔ شیخ محمد اکرام نے اس کام کے لئے نجوم السمار مستعار دی تھی۔ علامہ مرحوم ص22 میں لکھتے ہیں کہ:

"ہم نے اس کتاب میں اصولاً" علماء کے احوال جمع کئے ہیں۔ "عالم" کے معنی زمین و مکان و احوال کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ دینی علوم جاننے والا قرآن و حدیث، فقہ و اصول پڑھا ہوا فقہ و علوم دین کا ماہر علوم اسلامیہ سے باخبر کسی مدرسے کا فاضل، تفسیر، فقہ و اصول پر عبور رکھنے والا۔ نجف و قم میں علوم اسلامیہ کے جاننے والے یا فقط دینی علوم سے باخبر ہی کو کہنا عام ہے۔ لیکن ہمارے یہاں ایسے افراد، ایران و عراق کی طرح بکثرت نہیں ہیں۔ علم کا معیار جتنا بلند ہوتا جائے گا۔ عالم کا مصداق اسی قدر ممتاز قرار پائے گا۔ اس کتاب میں "عالم" فاضل جیسے الفاظ کا استعمال اسی انداز میں ہوا ہے یعنی زمان و مکان اور سیاق و سباق کے پس منظر میں۔ برصغیر میں انگریزوں کی آمد سے پہلے مسلمان حکمران۔ ان کے وزراء و امراء چونکہ اسلام کا دم بھرتے تھے۔ اور عموی طور پر ان کا رسمی قانون شریعت ہوتا تھا۔ قاضی اور شیخ الاسلام کا منصب ملک کا اہم منصب تھا۔ سرکاری زبان فارسی اور علمی زبان عربی تھی۔ مغرب اور مغربی علوم بدیسی مانے جاتے تھے۔ ذاتی تشخص اور قومی آزادی کی جس زندہ تھی۔ لہٰذا انصاب تعلیم میں جن مراحل سے گزرنا ہوتا تھا۔ وہ آج سے مختلف تھے"۔

مطلع انوار 940 علماء پر مشتمل ہے۔ جن علماء کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے اور جو ادبی دنیا میں مشہور تھے وہ یہ ہیں۔ مولانا محمد حسین آزاد، مولانا آغا باقر دہلوی، مرزا ابوطالب اصفہانی، شیخ ابوالفضل، شمس الدین فقیر، ابوالفیض فیضی، علامہ تفضل حسین خان، سید العلماء، غفراں مآب، رجب علی ارسطو جاہ، شیخ عبدالعلی ہروی، سید علی ہمدانی، سید محمد علی شاد عظیم آبادی، عنایت علی ساماںوی، فتح اللہ شیرازی، ملا فضلی، سلطان العلماء، شیخ علی حزیں۔

تذکرہ 20 جون 1975ء کو اختتام پذیر ہوا تھا لیکن 23 جون 1981ء تک اس میں اضافے کئے گئے۔ آخرکار 1981ء میں چھپا۔ اردو اور فارسی والوں کے لئے یہ تذکرہ بہت ہی مفید ثابت ہوگا۔

(2) عود ہندی:۔

یہ کتاب سید امتیاز علی تاج نے جون 1967ء میں 588 صفحات میں مجلس ترقی ادب لاہور سے علامہ مرتضی

حسین فاضل سے مرتب کرا کے شائع کی تھی۔ علامہ مرحوم نے عودہندی کا پہلا ایڈیشن جو مطبع مصطفائی میرٹھ سے 1868ء اکتوبر میں شائع ہوا تھا' بڑی عرق ریزی سے مرتب کیا ہے۔ پہلے ایڈیشن میں بہت سی غلطیاں رہ گئی تھیں۔ بعد میں اس کے جتنے بھی ایڈیشن چھپے تھے وہ سب غلط تھے۔ مولانا نے اسے پہلی مرتبہ صحیح اور خواشی و تعلیقات کے ساتھ خطوط غالب کے متعدد ایڈیشنوں کی مدد سے مرتب کیا ہے۔ علامہ کو مرزا غالب کی خطوط نگاری سے بہت پہلے سے دلچسپی تھی۔ انہوں نے غالب کے کئی خطوط پہلی مرتبہ دریافت کر کے مختلف رسائل میں وقتاً فوقتاً شائع کئے تھے۔ یہ خطوط ڈاکٹر خلیق انجم صاحب کی کتاب "غالب کی نادر تحریریں" اور خطوط غالب مرتبہ ڈاکٹر خلیق انجم میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

علامہ فاضل لکھنوی نے تصحیح میں خطوط، تعین تاریخ، حل اشارات کے علاوہ ماخذ، فہرست مضامین خطوط اور اشاریوں کی ترتیب و تالیف میں جس قدر محنت اور دیدہ ریزی کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ علم دوست حضرات کے لئے بے حد افادیت رکھتی ہے۔

علامہ سید مرتضیٰ حسین فاضل بلند پایہ ماہر غالبیات تھے۔ انہوں نے دل کی گہرائیوں سے غالب کا مطالعہ کیا تھا۔ عودہندی کے علاوہ انہوں نے درج ذیل غالب کی کتابیں جدید اصولوں کی بناء پر مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع کیں۔

(1) اردوئے معلیٰ — حصہ اول جلد اول
(2) اردوئے معلیٰ — حصہ اول جلد دوم
(3) اردوئے معلیٰ — حصہ دوم
(4) کلیات فارسی — جلد اول
(5) کلیات غالب — جلد دوم
(6) کلیات نثر غالب — جلد سوم

ان کتابوں کے علاوہ انہوں نے انتخاب مراثی انیس، کلیات آتش حصہ اول و حصہ دوم اور مکاتیب مولانا محمد حسین آزاد بھی مرتب کر کے مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع کئے علامہ کی آخری کتاب جواہر دبیر ہے۔

جواہر دبیر۔ سائز 20x26/8 صفحات 562' جلد سیاہ ریکسین کاغذ طباعت عمدہ اور نفیس'
سال اشاعت 1986ء ناشر۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز انار کلی لاہور۔

یہ علامہ مرحوم کی آخری اور معرکہ آراء تصنیف ہے۔ اس میں مرزا دبیر کے 14 مراثی شامل کئے گئے ہیں۔ ابتداء میں مرزا صاحب کے حالات زندگی اور ان کے فن پر عالمانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ ہر مرثیے کی ابتداء میں تعارف و تبصرہ' متن مرثیہ' تحقیق متن اور آخر میں فرہنگ الفاظ شامل ہے۔ اس میں دبیر کے اچھے اور نمائندہ مرثیوں کا انتخاب دیا ہے۔ ہر مرثیہ مکمل ہے۔ مرثیوں کی ترتیب و تحقیق میں جس دیدہ ریزی کا مظاہرہ مرتب نے کیا ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ کتاب کی چند امتیازی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

1- نادر و نایاب قلمی نسخوں کی بنیاد پر ترتیب و تحقیق
2- مرزا صاحب کا صحیح کردہ نسخہ بھی سامنے رکھا گیا
3- تخلیق مرثیہ میں تاریخ متن کا تعین
4- بیشترے نئے فنی پہلوؤں کی نشاندہی
5- جدید اصولوں پر حقیقی و مطالعاتی متن کی تدوین
6- مرثیے کے پہلے اسکا مطالعہ و تجزیہ
7- مرثیے کے ساتھ مشکل الفاظ و تلمیحات کی تشریح
8- مقدمے میں متعدد و نایاب اطلاعات
9- نقد و نظر میں محاسن لفظی و معنوی کا مختصر بیان

الغرض جواہر دبیر کے محاسن کا شمار کہاں تک کیا جائے۔ علامہ مرحوم کی یہ آخری تصنیف ہر لحاظ سے بلند پایہ اور قابل قدر ہے۔ پڑھئے اور لطف اندوز ہو جیئے میری رائے میں مرحوم کا یہ معرکہ آراء صحیفہ دبیریات اردو تنقیدی ادب میں ایک گراں مایہ اضافہ اور موضوع پر حاکمانہ قدرت کا شاہد عینی ہے۔ ایسی دیدہ زیب اور پراز معلومات کتاب دبیریات میں ہماری نظر سے نہیں گزری۔

**

آہ ثالث النیرین مولانا سید مرتضیٰ حسین!

از: مفتی سید طیب آغا الجزائری

کچھ لوگ عمر کے پیمانے میں تو بوڑھے ہو جاتے ہیں، لیکن دلوں کے کاشانے میں بالکل جوان ہوتے ہیں، اس کا پتہ ان کی موت پر چلتا ہے کیونکہ ان کے مرنے سے دلوں پر وہی گھاؤ لگتا ہے جو ایک کڑیل جوان کی موت سے لگتا ہے--- مولانا مرتضیٰ حسین انہی لوگوں میں سے ایک تھے!

دنیا میں ہر روز لاکھوں انسان مرتے اور پیدا ہوتے رہتے ہیں کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ کب آئے اور کب گئے، لیکن--- بعض مرنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جیسے "صبح کا ستارہ" ستارہ سحری سحر کے وقت زیادہ جگمگاتا ہے اور اپنی روشنی سے سحر خیز آنکھوں کو لبھاتا ہے، پھر اس کے بعد ڈوب جاتا ہے، لیکن اپنی یاد دلوں میں چھوڑ جاتا ہے، مولانا مرتضیٰ حسین ایک ایسا ہی ستارہ تھے

یا کو کبا" ماکان اقصہ عمرہ
دکزا تلون کوالب الاسحار

میں نے ہندوستان کو چھوڑا، پاکستان سے رشتہ توڑا، تمام پرانی یادوں سے منہ موڑا، زندگی میں ایسا انقلاب آیا کہ نیا دیس بسایا، بہت سے لوگ چھوٹ گئے مگر مرتضیٰ حسین نہ چھٹ سکے کیونکہ وہ یہاں بھی آ گئے، ملنے کے لئے نہیں، بلکہ روٹھنے کے لئے۔ مجلہ توحید تہران سے انہوں نے اپنا سر نکالا، جیسے آفتاب طلوع کرتا ہو، چمکنے کے لئے نہیں، بلکہ ڈوبنے کے لئے۔

مجھ سے مجلہ مذکور کے لئے کچھ لکھنے کی فرمائش کی، پہلے ایک خط لکھا، جب جواب میں دیر ہوئی تو خود آ گئے، جب میں نے مقالہ نگاری سے سہل انگاری کی تو بگڑ کے فرمانے لگے "آپ کا انکار بالکل بیکار ہے، آپ کو لکھنا ہوگا" میں نے دل میں کہا کہ بچپن کے دوست کا یہی زور ہونا چاہئے، میں نے تو ان سے نہیں اپنے آپ سے فرار کیا، مگر میاں مرتضیٰ حسین نے دوبارہ گرفتار کیا، یہ لب و لہجہ صرف انہی کا حق ہے، جسکے آگے قلم کیا سر بھی خم ہے۔

میری نظر میں اس وقت پاٹا نالہ لکھنؤ کی وہ مسجد گھوم گئی جس میں والد مرحوم مفتی سید محمد علی صاحب اعلی اللہ مقامہ نماز پڑھایا کرتے تھے اور وہاں مولانا مرتضیٰ حسین اپنے والد مرحوم کے ہمراہ آیا کرتے تھے، یہ میری اور ان کی پہلی ملاقات تھی، اس کے تقریباً پچاس سال کے بعد قم میں ملاقات ہوئی، تہران میں دل نہ لگا تو لاہور واپس گئے لیکن وقت

رخصت مجھ سے ملنے آئے۔۔۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے۔

ان دونوں ملاقاتوں کے درمیان لاتعداد مرتبہ ساتھ رہا کبھی ناظمیہ میں تو کبھی سلطان المدارس میں، کبھی مسجد میں تو کبھی مجلس میں، کبھی ان کے گھر پر تو کبھی اپنے گھر پر، یہاں تک کہ جب میں لکھنؤ سے نجف الشرف چلا گیا تو مرتضیٰ حسین صاحب وہاں بھی پہنچے، اور ہم دونوں کے دل کی کلی ایسی کھلی کہ پرانی باتوں سے نئی راتوں کو آباد، اور حوادث کے تھپیڑوں سے جو دل مردہ ہو گئے تھے ان کو شاد کیا۔

میں نے ان کو وہاں کے علماء سے ملوایا، بہت سے ان کو پہلے سے جانتے تھے، جو نہ جانتے تھے، ان سے روشناس کرایا، میں نے بھی ان کو اجازہ روایتی دیا اور دوسرے علماء سے بھی دلوایا، جس کے وہ ہر طرح سے اہل تھے۔

انہوں نے اپنی تقریر سے، تحریر سے، تدبیر سے، گلزار علم و ادب کی آبیاری کی، تقریر ایسی آسان جیسے آب روان فرات، تحریر ایسی مرصع جیسے چنے ہوئے جواہرات، تدبیر ایسی پر تاثیر جسکے دوررس اثرات، نہ کسی سیاست کی فکر، نہ کسی ریاست کا ذکر، اس کے باوجود بڑی سج دھج بڑی آن بان۔۔۔ جو واقعاً" حقیقی علماء کی شان، اپنی غربت کو اپنا تاج، اور اپنی خودداری کو اپنی معراج سمجھتے تھے۔ خاموشی کے ساتھ زندگی بسر کی اور خاموشی کے ساتھ موت کو گلے لگایا، زندگی بھر اپنی باتوں سے دوستوں کو ہنسایا، لیکن جتنا ہنسایا تھا اپنے مرنے کے بعد اس سے سوا رولایا، عاش سعیداً" ومات سعیداً ہاں مردان خدا ایسے ہی ہوتے ہیں۔

اگر سعید اس کو کہتے ہیں جو اپنے بعد نیک اولاد چھوڑ جائے تو اس معنی سے بھی سعید تھے کہ انہوں نے کئی نیک اولادیں چھوڑیں، خصوصاً" عزیزم مولانا حسین مرتضیٰ جن سے اب امیدیں وابستہ ہیں۔

اگر سعید اس کو کہتے ہیں جو اپنے بعد کوئی تالیف چھوڑ جاتے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے المومن ازامات و ترک ورقۃ واحدۃ علیہا علم، تکون تلک و الورقۃ یوم القیامتہ ستراً" فیما بینہ و بین النار، واعطاہ اللہ تبارک و تعالیٰ بکل حرف مکتوب علیہا مدینتہ اوسع من الدنیا بسبع (زدعاالربیع) تب بھی وہ ایک بہت بڑے سعید تھے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے بعد دو طرح کی تالیفیں چھوڑیں، یک تو کتابوں کی شکل میں جن کی تعداد تین سو سے بھی اوپر ہے، دوسرے ان شاگردوں کی شکل میں جن کو انہوں نے "انسان" بنایا، اور ان کی تعداد صرف خدا کو معلوم ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسری تالیف پہلی تالیف سے کہیں زیادہ مشکل بھی ہے اور بلند بھی کیونکہ

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

حیوانوں کی وہی شکل ہے جو ہے، ان کے حدود اربعہ بھی وہی ہیں جو دکھلائی دیتے ہیں لیکن انسان حیوان سے بہت مختلف ہے، اس کی حقیقی صورت، اس کی سیرت ہے، لہٰذا اس کے جمال کو اس کے خدوخال میں نہ دیکھو، بلکہ اس کے اندرونی حال میں دیکھو، اس بنا پر ایک کھرا اولوالعزم انسان، ہلال سے زیادہ حسین ہے چاہے وہ بلال کی شکل کا ہو، اور

ایک کھوٹا لاکردار انسان بہت قبیح ہے چاہے وہ یوسف کی طرح ملیح ہو' اگر یہ بات صحیح ہے تو مرتضیٰ حسین واقعاً "ثالث الزمن" تھے' بلکہ "نیرین" سے بھی زیادہ حسین' کیونکہ چاند سورج کے حسن کو تو ہر روز زوال ہوتا ہے' جبکہ مرتضیٰ حسین کے اندر چھپا ہوا حسن و جمال' ابد تک لازوال ہے

لیس الجمال باثواب تزیننا
ان الجمالہ جمال العلم والادب

اسی طرح ہر انسان کے حدود اربعہ بھی وہ نہیں ہیں جو ان ظاہری آنکھوں سے دکھلائی دیتے ہیں' بلکہ ایک عالم دین کی حقیقی جسامت کو ناپنے کے لئے تمام آلات مساحت ناکافی ہیں' کیونکہ جہاں جہاں تک اس کے افادات کی وسعت ہے وہاں وہاں تک اس کے وجود کا جغرافیہ ہے' بنابرین' مرتضیٰ حسین چاہے دیکھنے میں ایک مختصراور ہلکے پھلکے وجود کے مالک ہوں' مگر ان کا کیف و کم' اتنا ذو حشم تھا جس کو ناپنے کے لئے سورج کی شاعوں کا میٹر' اور قوس افلاک کی پرکار درکار ہے۔ اب ان کے مرنے سے جو خلا پیدا ہوگیاہے اس کی وسعت کا کون اندازہ کر سکتا ہے' کما قال المعصوم

"اذامات العالم ثلم فی الاسلام ثلمتہ السید ھاشمی"؟

مولانا مرتضیٰ حسین کے مرنے سے دو جگہ خلا پیدا ہو گیاہے' ایک دنیا میں' دوسرا دوستوں کے دلوں میں' اور دونوں حیران پذیر نہیں!

مولانا جس وقت مجھ سے رخصت ہو رہے تھے گویا زبان حال سے کہہ رہے تھے "خدا حافظ! اب تو قیامت ہی میں دیدار ہوگا" میں نے اس وقت یہ آواز نہ سنی' ورنہ کہتا کہ

قیامت میں ملنے کا وعدہ نہ کرنا
ارے جانے والے قیامت یہی ہے

میرے اوپر تو ایک نہیں کئی قیامتیں ٹوٹ پڑیں' پہلے مولانا کلب عابد صاحب' اس کے بعد مولانا غلام مہدی صاحب سندھی' اس کے بعد--- اب مولانا مرتضیٰ حسین صاحب' یہ سب میرے بچپن کے ساتھی' اور ایک ہی منزل کے راہی تھے' ان سب نے یکایک ساتھ چھوڑ دیا اور اس دنیا سے منہ موڑ لیا--- یہی وہ منزل ہے جہاں علی (علیہ السلام) جیسے صابر انسان نے نوحہ کیاہے اور میں بھی اسی المناک نوحہ پر اپنی اس تحریر کو ختم کرتا ہوں

الایا ایہاالموت الذی لست ، تارکی
ارحنی' فقدافنیت کل خلیلی
اراک بصیرا" بالذین اجبہم
کانک تنحونحوہم بہ دلیل

دارالکتاب۔ خیابان ارم۔ قم کیم ربیع الثانی 1408

آہ! مولانا سید مرتضیٰ حسین

صادق علی دلاوری

23 اگست کو یہ المناک خبر سنی کہ مولانا سید مرتضیٰ حسین انتقال فرما گئے۔ ٹیلی ویژن پر تصویر دیکھنے پر تفصیلی تعارف سننے کے باوجود اس خبر کی صداقت پر یقین نہیں آتا تھا۔ کیونکہ ابھی چند روز پہلے ان سے ہسپتال میں ملاقات ہوئی تھی۔ اگرچہ بیماری کے سبب نقاہت و کمزوری کے آثار نمایاں تھے مگر حالت ایسی بھی نہ تھی کہ گمان کیا جاتا کہ چند روز کے مہمان ہیں۔ خاصی دیر تک ان کی خدمت میں حاضر رہا اس دوران مسلسل گفتگو کرتے رہے۔ بستر پر تکیہ لگا کے بیٹھے ہوئے تھے ان کے منجھلے صاحبزادے خدمت کے لئے وہاں موجود تھے۔ انہوں نے ایک دو مرتبہ عرض کیا کہ ابا آپ تھک گئے ہوں گے لیٹ جایئے۔ فرمایا نہیں میں ٹھیک ہوں۔

اس حالت میں بھی آپ کو اپنے کام کا خیال تھا۔ فرماتے تھے' بیماری کی وجہ سے کچھ کام تشنہ تکمیل رہ گئے ہیں اللہ تعالیٰ سے اتنی مہلت چاہتا ہوں کہ ان کاموں کو اور بالخصوص تفسیر قرآن کے کام کو مکمل کر سکوں۔ دوران گفتگو بعض کتابوں کا ذکر ہوا جن کی انہیں تلاش تھی۔ ان میں سے ایک کتاب میری تصنیف کردہ تھی میں نے وعدہ کیا اگلی ملاقات میں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔۔۔۔ افسوس کہ اس کے بعد ملاقات نہ ہوئی۔

جنازے کے ساتھ سوگواروں کا بے پناہ ہجوم دیکھ کر دل میں یہ خیال پیدا ہوا "کیا یہ اسی شخص کا جنازہ ہے جو 1950ء میں لکھنؤ سے ہجرت کر کے لاہور میں اس حال میں وارد ہوا کہ بھرے شہر میں کسی شخص سے صورت شناسائی نہ تھی۔ بس ایک دانشور ہی تھے جن سے باہمی تعارف تھا اور ان میں آغا محمد باقر نبیرہ آزاد اور مولانا غلام رسول سرفہرست تھے۔۔۔۔ یقیناً" یہ حسن اخلاق اور علمی و ادبی کمالات کا نتیجہ تھا کہ ہزاروں عقیدت مندوں کے غم میں سوگوار اور اشکبار نظر آ رہے تھے۔۔۔۔ مولانا اس شہر میں ذاتی طور پر کسی کو نہ جانتے تھے۔ آغا باقر اور مولانا مہر تک کے پتے معلوم نہ تھے۔ کاوش و تلاش بسیار کے بعد آغا باقر سے ملاقات ہوئی اور آغا صاحب مرحوم کی وساطت سے ہی مولانا کی ملاقات سے مشرف ہوا اور یہیں سے دوستی کا آغاز ہوا۔

تلاش روزگار کے لئے جدوجہد

آغا صاحب نے بتایا کہ مولانا اور ان کے متوسلین کے لئے اسباب معیشت کی بہم رسانی کا مسئلہ درپیش ہے۔

لاہور جیسے شہر میں ایک اجنبی کے لئے جس کا کوئی رفیق و معاون نہ ہو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی سکونت اور ضروریات زندگی کی فراہمی آسان نہ تھی۔ مولانا سید مرتضیٰ حسین نے جس حوصلہ مندی، ثابت قدمی اور استقلال سے یہ مراحل طے کئے ان سے ان کے عزم راسخ اور قوت عملی کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا کی ابتدائی جدوجہد سے متعلق چند امور قابل ذکر ہیں اور اس سلسلے میں مولانا نے جو تگ و دو کی وہ اپنی جگہ ایک سبق اموز داستان ہے۔

کسب معاش کے ابتدائی مراحل

میں ان دنوں محکمہ تعلیم میں درسی کتب کے مدیر کے طور پر کام کرتا تھا اور اس محکمے میں بطور معلم علوم شرقیہ مولانا کے تقرر کے ضمن میں میں نے جو حقیر خدمت سرانجام دی اسے اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا ہوں۔ سید محمد ترمذی نہایت نیک دل اور نیک سرشت بزرگ تھے، اہل علم و فضل کے بڑے قدردان تھے اور ان دنوں سررشتہ و تعلیم پنجاب میں ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے۔ مولانا کا مسئلہ ان کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے مخلصانہ ہمدردی سے اس پر غور کیا اور گورنمنٹ ہائی اسکول باغبان پورہ میں بطور معلم علوم شرقیہ مولانا سید مرتضیٰ حسین کی تقرری کے احکام نافذ فرمائے۔

ملازمت کے سلسلے میں مشکلات

زمانہ قدیم سے یہ روایات چلی آئی ہیں کہ دنیا والے اہل فضل و کمال کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ مولانا برصغیر کی عظیم دینی درسگاہ سے فارغ التحصیل ہونے کے علاوہ لکھنؤ اور الہ آباد بورڈ اور یونیورسٹی سے علوم اسلامیہ و علوم شرقیہ کی متعدد اسناد حاصل کر چکے تھے ان کی گفتار و رفتار سے عالمانہ وقار ترشح تھا۔ اور وہ اپنی علمی اور ادبی صلاحیتوں کے اعتبار سے اس وقت بھی ایک بلند مقام رکھتے تھے اگرچہ مولانا ہائی اسکول میں معلم علوم شرقیہ کی معمولی سی اسامی پر مقرر ہوئے تھے لیکن ان کے یہ اوصاف پست فطرت اور نااہل حریفوں کے لئے وجہ حسد و عناد بن گئے۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ لکھنؤ اور الہ آباد بورڈ اور یونیورسٹی کی علوم شرقیہ و علوم اسلامیہ کی اسناد پنجاب یونیورسٹی کے قواعد و ضوابط کے مطابق قابل تسلیم نہ تھیں۔ محکمے میں شکایتیں آنی شروع ہو گئیں کہ مولانا کے پاس کوئی منظور شدہ سند نہیں۔ محکمہ میں متعلقہ افسران سے کہہ سن کر ان شکایات پر عملدرآمد کو ملتوی کروایا گیا اور ان کے تدارک کی تدابیر سوچی جانے لگیں۔

پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات میں شرکت

ایک روز مولانا دفتر میں میرے پاس تشریف لائے میں نے گزارش کی مولانا حاسدوں کا منہ بند کرنے کے لئے کیوں نہیں آپ پنجاب یونیورسٹی کے کسی عربی یا فارسی کے امتحان میں شریک ہو جاتے یہ امتحان آپ کے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ ان میں سے کسی امتحان کی سند آپ کے پاس ہوگی تو معاندین کی ریشہ دوانیاں ختم ہو جائیں گی"۔ مولانا نے میرے مشورے کو پسند کیا۔

منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات

پنجاب یونیورسٹی کے منشی فاضل کے امتحان کا وقت قریب تھا مولانا اس میں شریک ہوئے اور اول پوزیشن حاصل کی اگلے سال مولوی فاضل کے امتحان میں بھی اسی طرح اول پوزیشن حاصل کی۔ ہم نے اطمینان کا سانس لیا کہ چلو معترضین و حاسدین سے پنڈ چھوٹا۔ مگر کہاں! حاسدین کے ترکش میں صرف ایک ہی تیر نہیں ہوا کرتا۔ اب یہ سوال اٹھایا گیا کہ مولانا کے پاس تدریس کی کوئی سند نہیں ہے لہٰذا وہ کسی اسکول میں بطور مدرس ملازمت کے اہل نہیں ہیں۔ یہ مسئلہ بہت کٹھن تھا۔ کیونکہ معلم علوم شرقیہ (اورینٹل ٹیچر) کی سند حاصل کرنے کے لئے کسی نارمل سکول میں داخل ہو کر ایک سال تعلیم و تربیت حاصل کرنا لازمی ہے۔ اگر مولانا نوکری چھوڑ کر نارمل اسکول میں داخل ہوتے ہیں تو اہل و عیال کے لئے نان ونفقہ کی فراہمی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ مولانا کے پاس آمدنی کا اور کوئی وسیلہ تو تھا نہیں۔ اس لئے نارمل اسکول میں تربیت حاصل کرنا خارج از بحث تھا۔ متعلقہ افسران سے گفتگو کے دوران یہ معلوم ہوا کہ محکمے کے قواعد و ضوابط میں ایک شق یہ بھی ہے کہ اگر کوئی معلم تین سال سے کسی اسکول میں پڑھا رہا ہو تو وہ (اورینٹل ٹیچر) کی اعزازی سند حاصل کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ اس قاعدے کے تحت O.T کی اعزازی سند مل گئی اور یہ مشکل بھی حل ہوئی پھر کسی کو یہ مجال نہ ہوئی کہ مولانا کو پریشان کرے۔

ان پریشانیوں اور مشکلات کے باوجود مولانا نے سکول میں تدریس کے ساتھ ساتھ اپنے علمی مشاغل ترک نہ کیے اور تصنیف و تالیف اور تحقیق و تدقیق کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کا کام جاری رکھا۔

قناعت و توکل

مولانا نے گورنمنٹ ہائی اسکول باغبان پورہ میں بطور معلم علوم شرقیہ ملازمت کا آغاز کیا اور ریٹائرمنٹ تک اسی جگہ اور عہدے پر ہی رہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ عربی فارسی ادبیات اور دینی علوم کے اتنے بڑے محقق وجید عالم نے کن وجوہات کی بنا پر اپنی عمر عزیز قلیل المشاہرہ ملازمت میں بسر کی اور اپنے علمی و ادبی مقام کے مطابق کسی اعلیٰ منصب کے حصول کی کوشش کیوں نہ کی؟

میرے علم میں یہ بات بھی ہے کہ ذرائع آمدنی کے بہترین مواقع بالتواتر سامنے آتے رہے مگر مولانا نے اس طرف کبھی توجہ نہ فرمائی۔ میں نے کئی بار عرض کیا کہ اپنے اور اپنے بچوں کے لئے معیشت کے بہتر وسیلے میسر آ سکتے ہیں تو کیوں نہ انہیں حاصل کر لیا جائے مگر مجھے ہر مرتبہ یہی جواب ملا کہ بھائی! میرا مقصد اسباب آسائش و فراغت کا حصول نہیں میرا نصب العین دینی تعلیمات کی تبلیغ اور علمی و ادبی تحقیق و تدقیق کے اعلیٰ معیار کو فروغ دینا ہے۔ اس ملازمت میں مجھے اس لئے اطمینان ہے کہ مجھے اپنے اصل مقصد کی تکمیل کے لئے کام کرنے کا وقت مل جاتا ہے اور خدا کے فضل سے دو وقت کی روٹی مل جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ اور نہیں چاہئے۔ اگر میں روپیہ کمانے کے میں لگ جاؤں تو یہ کام انجام نہیں دے سکوں گا۔ چنانچہ عمر بھر ہر قسم کی سختی اور تنگی برداشت کی مگر صبر و قناعت کا دامن نہ چھوڑا۔

حلقہ احباب میں توسیع

کسب معاش و تربیت اولاد کے فرائض کو بطریق احسن انجام دینے کے ساتھ ساتھ دینی مجالس اور علمی و ادبی اجتماعات میں شرکت بھی کرتے رہے اور احباب سے میل ملاقات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اگرچہ حلقہ احباب میں وقت کے ساتھ اضافہ ہوتا رہا مگر کبھی کسی کو تعلقات میں سرد مہری اور رویے میں تبدیلی کا احساس نہ ہوا۔ مولانا کی ان مصروفیات کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کتنی مصروف تھی اور اس مصروف زندگی کو دیکھتے ہوئے ان کی تصنیف و تالیف کے شاہکاروں کی تعداد و معیار حیرت میں مزید اضافے کا باعث بنتے ہیں۔

شیخ مبارک علی کے ہاں ہفتہ وار اجتماع

شیخ مبارک علی لاہور کے ایک علم دوست اور عالم شناس ناشر اور تاجر کتب تھے اور ان کی ان خصوصیات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے بڑے بھائی نے ان کو اپنی دوکان سے بیک بینی و دوگوش اس وجہ سے نکال دیا کہ انہوں نے اقبال کے مجموعہ اشعار کی اشاعت کی ذمہ داری اس وقت لی جب وہ صرف محمد اقبال تھے علامہ اقبال نہ تھے۔ دوکان سے نکلے تو چارٹ اور کلینڈر گلی گلی بیچنے کی نوبت آئی مگر محنت رنگ لائی اور لوہاری گیٹ میں کتابوں کی ایک دوکان بنائی۔ شیخ مبارک علی تاجر کی ذات دانشوروں اور قلم کاروں کے لئے ایک اہم مرکز کا درجہ رکھتی تھی۔ کتاب سے وابستگی رکھنے والا ہر شخص اس مرکز کی طرف رجوع کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ شہر کا کوئی ادیب، مصنف، معلم و شاعر ایسا نہ ہو گا جس کو اس مرکز سے رابطہ نہ رہا ہو۔ بیرون شہر بلکہ بیرون ملک سے بھی علوم شرقیہ سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب جب لاہور آتے تو شیخ صاحب کی دوکان پر حاضری دینا لازمی سمجھتے تھے۔ یوں تو اس دوکان پر ہر وقت

ہی احباب کی محفل جمی رہتی مگر ہر شنبہ کے روز ایک خصوصی محفل منعقد ہوتی تھی جو دن کے گیارہ بارہ بجے سے شروع ہو کر پانچ بجے شام تک جاری رہتی۔ اس کے مستقل شرکا مولانا غلام رسول مہر، شیخ نیاز احمد، شیخ بشیر احمد، مولانا مرتضیٰ حسین اور مرزا ہادی علی بیگ تھے۔ اہل علم و دانش میں اس کا چرچا تھا اور بہت سے نامور اور ممتاز اہل علم و دانش اس میں شرکت کی خواہش اور کوشش کرتے اور گاہے گاہے تشریف بھی لایا کرتے تھے۔ جب شیخ صاحب مرحوم نے پبلشرز یونائیٹڈ انار کلی لاہور کی باگ دوڑ سنبھالی تو اجتماع کا مقام بھی وہیں منتقل ہو گیا اور اس کے مستقل شرکا میں شیخ محمد امین کا اضافہ ہو گیا جو پبلشرز یونائیٹڈز کے مینجنگ ڈائریکٹر تھے اور ہیں۔

یگانگت و خلوص

یہ محفل احباب کئی اعتبار سے منفرد مقام کی حامل تھی۔ اس میں مولانا غلام رسول مہر اور مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل جیسے عالی مقام عالم بھی تھے اور مجھ جیسے ہیچدان بھی۔ لیکن یگانگت و خلوص کا یہ عالم تھا کہ آپس میں کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھا جاتا۔ علمی و ادبی مباحث کے علاوہ ہر قسم کے معاشرتی اور ثقافتی معاملات پر بھی گفتگو ہوتی۔ ہر شخص کو اظہار و خیال کی مکمل آزادی تھی۔ یہ مباحث مجھ جیسے بے مایہ شخص کے لئے معلومات کا بیش بہا خزانہ فراہم کرتے۔ اکثر لطائف و ظرائف کا دور بھی چلتا جس سے تمام شرکاء یکساں طور پر لطف اندوز ہوتے تھے۔

یہ مجلس سال ہا سال اسی باقاعدگی سے قائم رہی لیکن بالاخر اس کا شیرازہ بکھر گیا۔ شیخ مبارک علی نے انحطاط صحت کے باعث پبلشرز یونائیٹڈ آنا موقوف کر دیا 1972ء میں مہر صاحب انتقال فرما گئے بس یہ محفل ایسے ہی ناگزیر حالات کا شکار ہو گئی۔

امریکہ میں مولانا سے ملاقات

کچھ عرصہ بعد میں اپنے بچوں کے پاس امریکہ چلا گیا ایک طویل مدت وہاں قیام کیا لیکن مولانا سے بالواسطہ رابطہ رہا 1986ء آ گیا۔ مئی کا مہینہ تھا رمضان کی آمد آمد تھی میں سوچ رہا تھا کہ بہت دن ہو گئے مولانا مرتضیٰ حسین کی خیریت معلوم نہیں ہوئی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اٹھایا تو جو آواز کانوں میں گونجی اس کا سرور تادم رگ نہ بھلا سکوں گا۔

پہلا سوال یہ پوچھا "مولانا آپ کہاں سے بول رہے ہیں"؟

فرمایا "نیویارک سے"

تعجب بھی ہوا اور خوشی بھی۔ مزاج پوچھا تو فرمایا "طبیعت بہت ناساز ہے"۔ ساتھ ہی فرمایا "تمھارے پاس آنا چاہتا ہوں"۔ ان دنوں محفل شاہ خراسان میں درس قرآن دے رہا ہوں"۔

میں جہاں رہتا تھا وہاں سے نیوجرسی اور نیویارک کا فاصلہ ایک ہزار میل سے زیادہ تھا۔ میں نے عرض کیا آپ زحمت نہ کریں میری بیٹی نیوجرسی میں رہتی ہے میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ دوسرے ہی دن صبح ہوائی جہاز پر سوار ہوا اور عصر کے وقت نیوجرسی پہنچا۔ نیویارک فون کر کے مولانا کو آمد کی اطلاع دی شام کو محفل شاہ خراسان میں مولانا سے ملاقات ہوئی۔ آپ اس وقت مطالعہ میں مصروف تھے مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے بڑے تپاک سے ملے میرے ساتھ میرا داماد محمد علی انور عابدی بھی تھا اسے بھی گلے لگایا۔ پیار کیا' دعائیں دیں اور اپنے پاس بٹھالیا۔ کئی برس بعد ملاقات ہوئی تھی اپنی سرگزست سنائی میری سرگزشت سنی، پھر درس کا وقت ہو گیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ہال سامعین سے بھر گیا۔ درس ختم ہوا لوگ رخصت ہوئے تو اطمینان سے بیٹھ کر کافی دیر تک باہمی دلچسپی کے امور پر باتیں ہوتی رہیں۔ قریباً ہر روز میں درس میں شریک ہوتا تھا۔

مولانا کی صحت دیکھ کر بہت دکھ ہوا بے حد لاغر ہو گئے تھے۔ مولانا ہمیشہ میرے بچوں پر شفقت فرمایا کرتے تھے ایک طویل مدت گزر جانے کے باوجود ان کے نام مولانا کو یاد تھے۔ بیٹی کی خواہش تھی کہ مولانا اس کے ہاں تشریف لائیں میں نے یہ درخواست مولانا کی خدمت میں پیش کی تو انہوں نے بہ طیب خاطر اسے منظور فرمایا ایک دن اور ایک رات مولانا نے اس کے ہاں قیام کیا میں ان کی خدمت میں حاضر رہا اور نجی حالات کے علاوہ قومی مسائل بھی زیر بحث آئے۔ سب سے بڑا مسئلہ امریکہ میں مقیم مومنین کے بچوں کی دینی تعلیم کا تھا۔ یہ بچے امریکہ میں پیدا ہوئے اسی ماحول میں پلے بڑھے تربیت حاصل کی **نتیجتاً** اپنی ثقافت اور دینی تعلیم سے بیگانہ ہیں۔ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے۔ مولانا نے مختصر قیام کے دوران اس مسئلے کی سنگینی اور اس کے اثرات کو بھانپ لیا اور نیوجرسی میں دروس میں یہی مسئلہ موضوع بحث رہا۔

حق گوئی

ان تقاریر میں مولانا نہایت دلیری اور حق گوئی سے کام لیتے ہوئے شرکا کو انتباہ فرماتے رہے کہ اگر تم لوگوں نے اپنے بچوں کو دینی تعلیم کی طرف توجہ نہ دی اور غفلت برتی تو بچے دین سے بے بہرہ ہو جائیں گے اور تم لوگ خدا کے ہاں اپنے فرائض میں کوتاہی کے مجرم قرار پاؤ گے اور عقوبت سے نہ بچ سکو گے۔

ایک درس کے اختتام پر میں نے مودبانہ عرض کی "آپ جس قسم کی باتیں ان لوگوں سے کہتے ہیں وہ یقیناً" ان کو ناگوار ہوتی ہوں گی۔ لوگ پند و نصائح اور تنقید و تہدید کی باتیں پسند نہیں کرتے۔ جواب دیا "بھائی! میرا مسلک یہ رہا ہے کہ ممبر پر بیٹھ کر وہی کہتا ہوں جو مجھے کہنا چاہئے میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ لوگ کیا سننا پسند کرتے ہیں"۔ مجھے کبھی حصول تحسین کی خواہش نہیں ہوئی"۔

ایک منصوبہ

مولانا نے نہ صرف امریکہ میں مقیم مومنین کو بچوں کی دینی تعلیم کی طرف متوجہ کیا بلکہ اس سلسلے میں ان بچوں کو تعلیم دینے کے لئے دینیات کی درسی کتب کا سلسلہ مرتب کرنے کا منصوبہ بھی تشکیل دیا جس میں یہاں کے مخصوص حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے انگریزی زبان میں ایسا مواد مہیا کیا جائے جو بچوں کو اپنی ثقافت اور مذہبی امور سے پوری طرح باخبر کر دے۔ طے یہ ہوا کہ وطن واپس پہنچ کر اس منصوبے پر عمل شروع کر دیا جائے ابتدا" مولانا کی ہدایت و مشورے سے ایک سلیبس بنایا جائے پھر اس کے خطوط پر مولانا کی زیر نگرانی دس یا بارہ کتابوں کا ایک سلسلہ مرتب کیا جائے جس کی درجہ بندی بچوں کی عمر اور صلاحیتوں کی بنا پر کی جائے۔

افسوس کہ وطن واپس تشریف لانے کے بعد مولانا کی صحت بتدریج گرتی گئی۔ جسمانی کمزوری اور ناتوانی بڑھتی گئی۔ زندگی کے آخری چند ماہ ہسپتالوں کے چکروں میں بسر ہوئے۔ اگرچہ اس حالت میں بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا مگر افسوس کہ امریکہ میں بنائے گئے منصوبے پر عمل درآمد کا موقع نہ ملا۔ اسی طرح مولانا کے انتقال سے ملت کو جو ناقابل تلافی نقصانات پہنچے ہیں ان میں ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ امریکہ میں مقیم مومنین کے بچوں کا دینی تعلیم کا نہایت اہم منصوبہ تشنہ تکمیل رہ گیا۔

مولانا نے درویشانہ زندگی گزاری۔ عزت نفس کا یہ عالم تھا کہ انتہائی تنگدستی کے عالم میں بھی کسی سے اپنا حال بیان نہ کرتے تھے۔ آپ کا شعار ہمیشہ یہ رہا کہ کسی قول و فعل سے کسی کی دلازاری نہ ہو۔ ایک بار کسی سے دوستی ہو گئی تو وہ تادم آخر قائم رہی۔ اکثر احباب کو یہ کہتے سنا ہے کہ اگر تمام علماء مولانا سید مرتضیٰ حسین کی روش اپنا لیں تو ہمارے معاشرے سے فرقہ وارانہ تعصب کی لعنت دور ہو جائے غرض ان کی ذات میں انسانی خوبیاں اس قدر تھیں کہ ان کا احصار و شمار مشکل ہے۔

ہارون بادشاہ اور امام موسیٰ کاظمؑ

ہارون نے امامؑ سے پوچھا کہ آپ اپنے کو ابن رسولؐ اللہ کیوں کہتے ہیں آپ تو علیؑ کی اولاد ہیں اور حضورؐ کی اولاد ذکور نہ تھی امامؑ نے فوراً جواب دیا کہ حضرت عیسیٰؑ کا باپ کون تھا اس نے کہا وہ کلام خدا سے پیدا ہوئے تو آپ نے کہا کہ عیسیٰؑ اولاد انبیا میں اپنی ماں مریمؑ کی وجہ سے داخل ہوئے اسی طرح ہم بھی اپنی ماں فاطمہؑ کی وجہ سے اولاد رسولؐ کہلاتے ہیں یہ کہہ کر آپ نے قرآن کی آیت **وَوَهَبنالہ اسحاق و یعقوب** تا آخر پڑھ دی ہارون یہ سن کر چپ ہو گیا۔ (عقد الناظم ص 342)

سید حسین مہدی الحسینی

علامہ مرتضیٰ حسین نقوی صدر الافاضل طاب ثراہ

علامہ مرتضیٰ حسین نقوی صدر الافاضل طاب ثراہ کی دائمی مفارقت نے صرف ایک خاندان' اور ایک شہر کو سوگ نشیں نہیں کیا بلکہ ان کی موت کی اداسی ہر چہار طرف پھیلی ہوئی ہے۔ وہ ہم سے بہت دور جا چکے ہیں۔ ایسا لگتا ہے لاہور کی ہنگامہ خیز صبح و شام سے گھبرا کر وادی خموشاں کے سناٹے میں جا کر دم لے رہے ہیں۔

ان کی زندگی سے ہر طرف اجالا تھا وہ ہر انجمن کی رونق تھے' اور ہر محفل کی جان' ہر دل میں ان کی جگہ تھی اور ہر گھر میں ان کا ذکر' وہ پیشہ ور اہل قلم نہ تھے لیکن لکھنا پڑھنا ان کی رگ حیات تھا۔

ان کی سرعت قلم نے نت نئے مضامین کا اتنا وافر ذخیرہ نسل نو کے لئے میراث میں چھوڑا ہے کہ اگر کسی "ہیئت تحریریہ" کے زیر انتظام یہ کام کرایا جاتا تو شاید اس قدر نہ ہوتا۔ صدر الافاضل ان کا لقب بن چکا تھا۔ اگر علماء و افاضل کی بزم میں "صدر الافاضل" بولا جاتا تو اس سے تبادر صرف مولانا مرحوم کی طرف ہوتا۔

موت برحق ہے ہر حیات کے سفینہ کو موت کے ناپیدا کنار دریا میں تہہ نشین ہونا ہے' جب حیات کی چلتی ہوئی کشتی رک جائے تو عین مصلحت رب ہے۔ کسی کو چون و چراء کا حق نہیں جو خالق ہے اس نے ضرورت و زمان کا جائزہ لیتے ہوئے ہر انسان کو پیدا کیا ہے لیکن جو افراد ضرورتوں میں دست گیر' اور علمی و ادبی دنیا جن کے وجود کی محتاج ہوا کرتی ہے ان کی جدائی تادیر ناسور بنی رہتی ہے۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل مرحوم کی زندگی بھی کچھ ایسی پر ثمر و پر برکت رہی کہ ان کی جدائی پر دل کو قرار نہیں ہے۔ مشیت کے فیصلے پر ہر مذہبی ذہن خاموش ہے لیکن دل کہہ رہا ہے اگر ابھی اور زندہ رہتے تو اچھا تھا۔

یقیناً ان کے انتقال سے علم و آگہی کا نمایاں منارہ گر گیا۔ ممکن ہے وہ لوگ جنہوں نے مولانا مرحوم کو قریب سے نہ دیکھا ہو مبالغہ پر محمول کریں' لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ زندہ "انسائیکلوپیڈیا" تھے جو تاریخ اسلامیات پر لکھی جانے والی کتابیں خواہ کتنی پرانی کیوں نہ ہوں انہیں اس کا علم تھا کہ وہ کہاں ہیں اور کس سن میں طبع ہوئی ہیں۔

کتابوں کے سلسلے میں وہ عجیب و غریب بصیرت کے مالک تھے۔ اگر کسی کتاب کا سن طباعت تحریر نہ ہوتا تو کاغذ دیکھ کر یہ تعین فرما دیتے کہ کتاب کس سن میں طبع ہوئی ہوگی۔

اگر کسی کتاب کے قلمی یا مطبوعہ نسخے کمیاب و نایاب ہوتے تو انہیں اس کا علم ہوتا کہ وہ نسخے دنیا کے کن کن

گوشوں میں پائے جاتے ہیں۔

حرم امام رضا علیہ السلام کی تعمیر کے وقت بالائے سر دیوار میں ایک قرآن نہایت عمدہ کیس میں ملا ماہرین نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ کتنا پرانا ہے اس سلسلے میں مولانا مرحوم سے بھی مراجعہ کیا گیا۔ مولانا مرحوم نے قرآن کو دیکھنے کے بعد اس کے زمان تحریر کا تعین کر دیا اور اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے جو دلیل پیش کی وہ ایسی تھی کہ ماہرین کو تسلیم کرنا پڑی۔

مولانا کی تصانیف

عموماً" مرنے کے بعد غیر مطبوعہ ذخیروں کا حوالہ دیکر شخصیتوں کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ علامہ مرتضیٰ حسین مرحوم کی ذات ایسی نہیں۔ ان کے چھپے ہوئے قلمی کارنامے اس قدر دستیاب ہیں کہ اگر مشاق قلم ان کے نگارشات پر کچھ لکھنا چاہے تو دفتر کے دفتر لکھ سکتا ہے۔ اگرچہ مولانا مرحوم کے غیر مطبوعہ ذخیروں کی بھی ایک طولانی فہرست ہے۔

مولانا طاب ثراہ نے تاریخ، تفسیر، حدیث، رجال، لغت اور ادب میں وہ مطبوعہ کارنامے چھوڑے ہیں جس سے علمی حلقے باخبر ہیں۔

ادبی میدان میں مولانا مستند شخصیت رکھتے تھے۔ غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر روس میں بین الاقوامی سیمینار منعقد ہوا۔ محققین کے بورڈ نے مولانا مرحوم اور مالک رام کو غالبیات کے مستند ماہر ہونے کی سند دی۔

ویسے تو مولانا مرحوم کے قلم سے نکلی ہوئی ہر لفظ انمول تھی لیکن خود مرحوم کو اپنے کارناموں میں تفسیر پر بڑا ناز تھا آخر عمر میں وہ اسی کی کوشش کر رہے تھے کہ تفسیر قرآن مکمل ہو جائے۔ متعدد خطوط میں اس کا تذکرہ بھی کیا ___ اور ساتھ ہی ساتھ اس طرف بھی متوجہ تھے کہ اردو تفسیر پر جس قدر کام ہوا ہے اسے ضبط تحریر میں لایا جائے تاکہ بزرگوں کے کارناموں سے آنے والی نسلیں بے خبر نہ رہیں۔

مجھے بھی گزشتہ سال اردو تفاسیر سے متعلق ایک مقالہ ترتیب دینا تھا، قم اگرچہ مرکز علم ہے اور عربی و فارسی تفاسیر کے متعلق ہر قسم کی معلومات فراہم ہو سکتی ہیں۔ لیکن اردو کے لئے یہاں کے افاضل مفید نہیں ___ لہٰذا میں نے اس سلسلے میں ایک خط مولانا مرحوم کو لاہور لکھا جس کا جواب انہوں نے ان الفاظ میں دیا۔

"عزیز اغرا! کل خط ملا۔ آپ مقالہ لکھ چکے ہوں گے اگر ضرورت ہو تو ...... دیکھ لیجئے یوں پاک و ہند میں اچھی اچھی کتابیں چھپی ہیں ...... شیعہ مفسرین کی محنت کا جائزہ اچھا برا، ناقص، کامل، لیا جانا ضروری ہے۔ فہرست نگاری بہرحال ہو چکی ہے یہ کام ایران میں ہو سکتا ہے بشرطیکہ کسی جوان آدمی کو جنون ہو۔ ایرانی اپنے بعض صفات کی وجہ سے مرے کام نہ آسکے میں دو اہم ترین کتب خانوں میں بہت آیا گیا میری کمزوری کہ بڑھاپا ہے ان کی یہ کمزوری کہ دوڑانا چاہتے ہیں"

سوز ملت

علامہ مرحوم ایک حساس دل اور قوم و ملت کے لئے درد مند ذہن و دماغ رکھتے تھے۔ قوم کی فلاح، بزرگوں کے آثار کی حفاظت، شیعیت کے تحفظ اور آنے والی نسلوں کی سرافرازی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ اس سلسلے میں علامہ مرحوم نے جس قدر نمایاں قدم اٹھایا ہے ان سے پہلے اتنا مستحکم قدم کسی نے نہیں اٹھایا ___ اور وہ ہے ___ مطلع انوار ___ کی تالیف۔ مطلع انوار میں مرحوم نے شیعہ قوم کے دانشور، علماء حکماء اور شعراء کے حالات نہایت عمدہ و حسین پیرائے میں تحریر فرمائے ہیں۔ اس کتاب کی موجودگی نے علم رجال سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بہت وافر مواد فراہم کر دیا ہے اور پاک و ہند کے دانشوروں کو ثبت است ہر جریدہ عالم "دوام ما" کا مصداق بنا دیا۔

علامہ مرحوم کا فن ترجمہ نگاری

ترجمہ نگاری بذات خود ایک مشکل کام ہے کیونکہ ہر زبان کا مخصوص اسلوب، محاورے، محاکات اور اشارے الگ ہوتے ہیں۔ اگرچہ مترجم ترجمہ کرتے وقت کوشش یہی کرتا ہے کہ زبان کا لطف اور محاوروں کی چاشنی باقی رہے تاہم وہ بات پیدا نہیں ہو پاتی۔ دانتوں پسینے آجاتے ہیں۔

عربی سے اردو میں ترجمہ کے وقت اس بے کسی کا شدت سے احساس ہوتا ہے کیونکہ عربی لسانی اعتبار سے جس قدر وسیع و لامحدود ہے اردو اتنی ہی تنگ و محدود اسی لئے عربی کے مفہوم کو اردو میں منتقل کرنا نہ صرف دشوار ہے بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس کی زندہ مثال نہج البلاغہ ہے ___ حد محدود، لغت موجود وقت معدود، اور اجل ممدود، میں مولانا نے جس مفہوم کو پیش فرمایا ہے اردو کے دامن میں اتنی وسعت نہیں کہ اسے ترجمہ سے سمجھا سکے۔

مولانا فاضل مرحوم کو اردو ادب پر چونکہ بھرپور تسلط تھا لہٰذا وہ اپنے ترجموں میں اس سنگلاخ وادی سے بہت ماہرانہ انداز سے گزر گئے ہیں۔

مولانا مرحوم کو جدید و قدیم عربی پر یکساں تسلط تھا۔

سردست قدیم عربی سے متعلق میرے پاس تیسری صدی ہجری کے جلیل القدر محدث و مفسر جناب حسین بن سعید اہوازی کی کتاب المومن کا ترجمہ ہے۔ کچھ دنوں پہلے یہ کتاب دار الثقافۃ الاسلامیہ سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں مولانا مرحوم کے مہارت قلم کا اندازہ اس لئے زیادہ ہوتا ہے ترجمہ کے ساتھ ساتھ عربی متن بھی باقی رکھا گیا ہے کہ اگر ترجمہ کی اصل سے تطبیق کی جائے تو مرحوم کی مہارت ترجمہ کو آدمی عقیدت و احترام سے دیکھنے پر مجبور ہو جائے۔

جدید عربی سے متعلق مولانا کے دو ترجمے دیکھنے میں آئے۔ دونوں شہید ظلم جناب آیۃ اللہ الصدر کی کتاب الرسالتنا اور "حول الولایہ" کا ترجمہ ہے آیۃ اللہ الصدرؒ سے کون واقف نہیں ہے۔ باوجودیکہ شہید فقیہ تھے لیکن ان

کی تحریروں میں جدید عربی طرز بہت غالب رہا ان کی فقہی کتابوں میں بھی اس کی نمایاں جھلک موجود ہے ___ دونوں ترجمے ایسے شگفتہ اور رواں ہیں کہ نہ قاری کی نگاہوں کو ٹھوکر لگتی اور نہ مفہوم و مدعا میں پیچیدگی کا احساس ہوتا ہے۔
مولانا مرحوم بہت سریع القلم تھے ان کے ہاتھوں سے تقریباً تین سو کتابیں ترجمہ، تصنیف اور تالیف کے مرحلوں سے گذری ہیں ان میں سے کچھ تو ضائع ہو چکی ہیں لیکن پھر بھی خاصی موجود ہیں ___ عربی کے ساتھ ساتھ جدید و قدیم فارسی پر بھی یکساں تسلط تھا۔ انتقال سے کچھ دن بعد مولانا کا فارسی کارنامہ بھی "عاشور اور خواتین" کے نام سے طبع ہو کر مقبول خاص و عام ہوا۔

مرد متواضع

علامہ مرتضیٰ حسین اعلی اللہ مقامہ، انسان تھے اور ایک باکمال انسان، کمال، باکمال میں احساس برتری پیدا کر دیتا ہے خواہ وہ اسے خود محسوس کرے یا نہ کرے باکمال اپنے معاصر پر تنقید، اپنی غلطیوں پر اصرار، حق کو تسلیم کرنے میں تامل جیسی غلطیوں کا مرتکب ہوتا ہے لیکن مولانا مرتضیٰ حسین ایسے نہ تھے ان کا مطمع نظر یہ نہیں تھا کہ کون کہہ رہا ہے یہ تھا کہ کیا کہہ رہا ہے ___ لہٰذا ایک مرتبہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ "لغت" مذکر ہے یا مونث؟
مولانا نے کہا لوگ مونث بولتے ہیں ___ جس کے جواب میں میں نے کہا کہ حضرت مہذب لکھنوی مذکر لکھتے ہیں __ بلا جھجک کہا یہی صحیح ہے وہ مجھ سے بہتر ہیں۔
مولانا مرحوم کو اعتراف حقیقت میں کس قسم کا تامل نہیں تھا اپنے معاصرین سے بھی رشک و غبطہ کے بغیر نہایت خاکساری سے ملتے "مطلع انوار" پر ہمارے مدرسہ الواعظین لکھنؤ کے جلیل القدر واعظ علامہ مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ سے "پیش لفظ" لکھوایا اور "حرف آغاز" میں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جس عالی ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے قابل ملاحظہ ہے۔

> جناب علامہ مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ کا احسان مند ہوں کہ انہوں نے ازراہ کرم و بزرگی پوری کتاب پڑھی اور اصلاح فرمائی۔

"حرف آغاز" کے اختتام پر لکھتے ہیں۔

> میرا علم محدود اور جہالت غالب ہے۔ "کار دنیا کسی تمام نہ کرد" کو صحیح سمجھتا ہوں جو معلوم تھا کہہ دیا غلط ہو تو صحیح فرما دیا جائے۔

اسی طرح سرکار ناصر الملتہ طاب ثراہ کے نواسے مرحوم مولانا ضیاء الحسن مولوی صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> استاد محترم ضیاء الحسن صاحب حیرت خیز حافظہ و ذہانت و اخلاق کے مالک تھے..... میں نے ان سے جدید عربی پڑھنا اور لکھنا سیکھا۔

مولانا ضیاء الحسن موسوی مولانا مرتضیٰ حسین مرحوم سے صرف تین سال بڑے تھے اور دونوں ایک ہی ملک میں، ایک ہی عصر میں، ادبی و مذہبی حلقوں میں مسلم الثبوت پیشرو تھے۔ اگر مولانا مرتضیٰ حسین نے مطلع انوار میں اپنی شاگردی کا اظہار نہ کیا ہوتا تو یہ بات منظر عام پر نہ آسکتی تھی کیونکہ مرحوم نے اس باقاعدگی سے استفادہ کیا بھی نہیں تھا جیسا اپنے دوسرے اساتذہ سے کیا تھا۔ اس حق گوئی کی وجہ یہ تھی کہ مولانا مرحوم اس کے پیرو تھے جس نے کہا تھا من علمی حرفا" فقد ـــــ

علامہ مرحوم اور شاعری

جناب مرتضیٰ حسین فاضل لکھنؤی کے وجود میں ایک فنکار و مشاق شاعر بھی چھپا تھا اردو میں مرحوم کے اشعار کے کچھ نمونے میرے سامنے موجود ہیں لیکن ان کے تذکرے کے بجائے یہاں ان کے دو عربی مرثیے کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ پہلا مرثیہ اکیس سال قبل سرکار سعید الملتہ طاب ثراہ کے انتقال سے محزون و متاثر ہو کر قلمبند کیا تھا جسے مجلّہ العرفان نے شائع کیا تھا۔

دوسرا مرثیہ چند سال قبل مترجم قرآن مجید مولانا السید محمد صادق آل نجم العلماءؒ کے انتقال پر فرمایا تھا۔

سرکار مرحوم کے اساتذہ

مولانا مرحوم کے اساتذہ میں کون کون شخصیتیں تھیں مجھے اس کا علم نہیں صرف چند کا تذکرہ مطلع انوار میں خود مولانا نے کیا ہے۔ ان میں دو کے تذکرے سعید الملتہ مولانا سید محمد سعید صاحب قبلہ اور نادرۃ الزمن علامہ السید ابن حسن نونہوی نے تفصیل سے کئے ہیں۔

علامہ نونہوی طاب ثراہ سے متنبی، حماسہ، نہج البلاغہ اور فصول کے درس لئے تھے۔

جناب سعید الملتہ طاب ثراہ سے جو کتابیں پڑھیں خود اس کا تذکرہ مطلع انوار میں ان الفاظ سے کیا ہے۔

> "مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے جناب مرحوم سے نہج البلاغہ اور شرح لمعہ اور شرح کبیر کا درس لیا ہے اور فاضل ادب لکھنؤ یونیورسٹی میں اول نمبر کامیاب ہوا تو استاذ ناالجلیل نے عبقات الانوار، الغدیر کی ایک جلد انعام میں خود گھر پر زحمت فرما کر عطا کی"۔

حب الوطنی

ظواہر حدیث کے پیش نظر وطن دوستی جزو ایمان قرار دی گئی جس قدر ایمان محکم و مضبوط ہو گا وطن سے لگاؤ بھی اس قدر گہرا ہو گا۔

وطن سے لگاؤ کا پتہ تو اس وقت چلتا ہے جب انسان وطن سے نکل جاتا ہے اسی لئے اگر پردیس میں کوئی وطن

کامل جاتا ہے تو وہی خوشی محسوس ہوتی ہے جو اپنے حقیقی بھائی سے ملنے پر ہوا کرتی ہے۔

مرحوم مرتضیٰ حسین فاضل بھی انہیں ستم رسیدہ لوگوں میں تھے جنہیں وطن میں رہنا نصیب نہ ہوا۔

علامہ مرتضیٰ فاضل کا وطن لکھنؤ اور وہ بھی اس وقت کا لکھنؤ جب ہر فن کے عدیم المثال ماہرین کی مسند علم آباد تھی۔ حکماء ایسے کہ حرکت نبض سے نسلوں کے صفات کی تشخیص کر دیں علماء ایسے جن کے تقوے کو دیکھ کر لذت دنیا سے تنفر پیدا ہو جائے۔ ادباء و شعراء ایسے کہ ان کی جودت فکر اور اسلوب و انداز نے بازار عکاظ کے تذکروں کو پھیکا کر دیا تھا۔

ایسے شہر کے چھوٹنے کا کسے غم نہیں ہوتا چہ جائیکہ مولانا مرتضیٰ حسین جن کے سینے میں ایک ادیب کا دل دھڑک رہا تھا اور جن کے وجود میں معبود نے سوز و گداز بھی رکھا تھا۔

گردش فلک نے وطن سے چھڑایا تو کسی ایسی جگہ نہ پہنچایا جس سے کچھ ذوق ادب کی تسکین ہوتی بلکہ پنجاب جیسے علاقے میں لا کر مقید کر دیا جہاں کے رہنے والوں کی شیریں بیانی ارفق حد اثهما العنیف کا مصداق تھی۔

شاید 1983ء تھا کہ میں لاہور میں مولانا مرحوم کا مہمان تھا باتوں باتوں میں لکھنؤ کا تذکرہ نکل آیا۔ مجھ سے وہاں کے حالات پوچھے موجودہ لکھنؤ کا ایک مختصر خاکہ پیش کر دیا ___ لکھنؤ کی ویرانی و بربادی کا حال سن کر مولانا کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک گئیں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ مولانا لکھنؤ کے تذکرے سے اس قدر متاثر ہوں گے تو کچھ نہ کہتا۔

سفیر موت کی آمد

تقریباً چھ ماہ سے مولانا مرحوم صاحب فراش تھے پیری کا دباؤ، مشاغل کا ہجوم اور جسم نحیف و ناتوان، صحت و مرض میں کشمکش جاری رہی۔ مولانا نے بہت پہلے محسوس کر لیا تھا کہ نقیب موت دستک دے رہا ہے لیکن اولاد کی دلجوئی اور شفقت پدری کے تحت اظہار نہ کرتے کہ وہ بہت جلد ہمیشگی کی راہ اختیار کرنے والے ہیں اگرچہ باتوں باتوں میں سودا کی زبان میں بول پڑتے تھے۔

ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

23 اگست 1987ء کی صبح کو علم و عمل کے اس پیکر نے داعی اجل کو لبیک کہا ___ ان کی موت پر ایک دور اور ایک عہد کا خاتمہ ہو گیا۔

اب ہزاروں سال کے گریہ نرگس کے باوجود ایسے دیدہ ور کے پیدا ہونے کی امید نہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر شبیہ الحسن

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل ــ ایک مطالعہ

عام آدمی کی زندگی کا ہر لمحہ اسے موت سے قریب کر دیتا ہے، مگر وہ نفوس جو دنیا سے کچھ لینے کے بجائے اسے ہمہ وقت کچھ نہ کچھ دیتے رہتے ہیں، اپنے نطق و قلم کے سہارے زندہ اور زندگی بخش ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگی کا گزرتا ہوا ہر لمحہ زلیت کے لئے روشنی خریدتا ہے اور اسی روشنی میں وہ خود بھی جگمگانے لگتے ہیں۔ اس قبیلے میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جنہیں کسی بڑے کام کی وجہ سے فوری طور پر شہرت نصیب ہو جاتی ہے اور وہ بھی جو بہت خاموشی اور انکساری سے لوگوں کو بغیر جتائے اور بتائے اپنا کام نہایت لگن سے کرتے رہتے ہیں اور ان کے کارناموں سے خلق خدا کو فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔ اس قبیل کے لوگ ایسی آگ کی طرح ہوتے ہیں، جو دھیرے دھیرے سلگنے کے باوجود دنیا کو دانش و بنیش کی گرمی پہنچاتی رہتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں میں مولانا مرتضیٰ حسین صدرالافاضل کا نام بھی لیا جا سکتا ہے، جن کے کام کی جہتیں مختلف ہیں، لیکن جن کے یہاں متانت، بردباری اور خاموش لگن کی قندیلیں روشن نظر آتی ہیں۔

آج ہم مرتضیٰ حسین مرحوم کے بارے میں سوچتے ہیں تو فوری طور پر ان کی شخصیت کے مختلف گوشے اور ان کے جملہ تخلیقی کارنامے نگاہوں کے سامنے فوری نہیں آتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مختلف النوع شخصیت کے مالک تھے، اور مختلف جہات میں کام کرنے کے باعث انہیں پورے طور پر کسی ایک زاویے سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ذیل میں ان کے سوانحی حالات کے بعض نمایاں پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے گی اور ان کے گراں قدر علمی، ادبی، تحقیقی اور تنقیدی کارناموں کی مختلف جہتوں کے احاطے کی سعی ہوگی۔

آپ کا اسم گرامی مرتضیٰ حسین اور تخلص فاضل تھا (1)۔ آپ یکم اگست (2) 1923ء مطابق 18 ذی الحجہ 1341ھ، بدھ کے دن لکھنؤ کے معروف محلے راجہ بازار میں متولد ہوئے۔ آپ کا خاندان علمی وجاہت و ثقافت کی وجہ سے برصغیر میں عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ کے مورث اعلیٰ مولانا سید محمد صاحب ہندوستان کے علمی و ادبی حلقوں میں نہایت محترم سمجھے جاتے تھے۔ ان کی علمی و ادبی میراث ان کی نسل میں بھی منتقل ہوئی اور اس خاندان کے بیشتر بزرگوں نے خوب شہرت حاصل کی۔ آپ کے والد گرامی سید سردار حسین المعروف بہ قاسم آغا صاحب کے علم و فضل اور تقدس کی خوشبو پورے لکھنؤ میں پھیلی ہوئی تھی۔ اسی خوشبو دار فضا میں ایک نہال بھی پروان چڑھ رہا تھا، جس نے

رفتہ رفتہ ایک چھتنار درخت کی شکل اختیار کر لی اور آج اس کے سائے میں شائقین علم و ادب کے قافلے ستا رہے ہیں۔ اس شجر سایہ دار کا نام مرتضیٰ حسین فاضل ہے۔

مولانا مرتضیٰ حسین نے ابتدائی تعلیم مروجہ نظام تعلیم کے مطابق گھر پر حاصل کی۔ مدرسہ عابدیہ (کٹڑہ ابو تراب خان لکھنؤ) میں گلستان و بوستان کے ابتدائی اسباق پڑھے۔ اس کے بعد معروف مذہبی درسگاہ مدرسہ سلطان المدارس میں داخل ہوئے اور اپنی ذہنی بصیرت کا بھرپور اظہار کیا۔ یہاں کے اساتذہ کرام نے آپ کے ذوق جستجو کو تقویت دی۔ مولانا سید محمد سعید صاحب اور مولانا ابن حسن نونہروی صاحب کی بے پناہ شفقتوں اور عنایتوں سے مرتضیٰ حسین کا ذوق علم اور بھی نکھر گیا۔ آپ میں ایک باوقار ثقاہت و وجاہت پیدا ہوئی۔ علم کا شوق آپ کو نگر نگر لے گیا اور آپ نے طرح طرح کے اسناد حاصل کئے۔ ان اسناد کے حصول سے بھی آپ کی علم دوستی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ نے جامعہ سلطانیہ (لکھنؤ) سے صدر الافاضل اور سند الافاضل، مدرسہ ناظمیہ (لکھنؤ) سے ممتاز الافاضل، شیعہ عربی کالج (لکھنؤ) سے عماد الادب اور عماد الکلام، پنجاب یونیورسٹی (لاہور) سے مولوی فاضل (عربی)، منشی فاضل (فارسی) اور ادیب فاضل، لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب (عربی) اور دبیر کامل (فارسی) اور الہ آباد بورڈ سے مولوی و عالم عربی اور کامل (فارسی) کے اسناد امتیازی حیثیت سے حاصل کئے۔ دوران تعلیم آپ نے جن علمائے کرام سے بطور خاص استفادہ کیا، ان میں حجتہ الاسلام سید محمد رضوی صاحب قبلہ (پرنسپل جامعہ سلطانیہ)، حجتہ الاسلام سید محمد حسن صاحب قبلہ (فقیہہ دوراں) حجتہ الاسلام سید محمد حسین صاحب قبلہ (فقیہہ)، مولانا سید عبدالحسین صاحب قبلہ (فلسفی)، مولانا سید محمد صادق صاحب قبلہ، پروفیسر سید محمد حسین صاحب (لکھنؤ یونیورسٹی) اور مولانا ضیاء الحسن موسوی صاحب زیادہ مقبول و معروف ہیں۔

بیسویں صدی میں پورے برصغیر کے علم و ادب کا جوہر سمٹ کر لکھنؤ میں جمع ہو گیا تھا۔ علم و ادب کے شائقین اس بحرنا پیدا کنار سے پیاس بجھانے کے لئے یہاں کشاں کشاں چلے آ رہے تھے۔ ایسے سحر انگیز علمی، تہذیبی، ادبی اور مذہبی ماحول میں مولانا مرتضیٰ حسین نے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر آغا سہیل رقمطراز ہیں:۔

> ".... مولانا موصوف کو میں نے اپنے بچپنے میں کٹڑہ ابو تراب خان (لکھنؤ) کے ثقہ ماحول میں جس انداز سے دیکھا ہے، وہ نقشہ اب تک آنکھوں میں پھرتا ہے۔ ثقات فرنگی محل اور ثقات کٹڑہ ابو تراب خان کا شہر میں طوطی بولتا تھا۔ مولانا کو اسی کوچہ خاص سے یہ نسبت ہے کہ وہاں پیدا ہوئے۔ علمی، تہذیبی اور مذہبی ماحول کی آغوش میں تربیت پائی۔ سلطان المدارس کے علماء و فضلاء سے کسب علم کیا۔ سرکار ناصر الملت کے در دولت سے فیض اٹھایا کہ یہ آستانہ شیعہ علماء کی تشنگی بجھانے کا سرچشمہ ہی نہ تھا، بلکہ طالبان علم و ادب کے لئے بہترین دانش گاہ بھی تھا" (3)۔

مولانا مرتضیٰ حسین نے ابتدا" اپنے خیالات کی پیشکش کے لئے شاعری کو ذریعہ بنایا اس دور میں شعر و شاعری

کے بڑے چرچے تھے اور گھر گھر میں مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔ حسن اتفاق سے مولانا مرتضیٰ حسین کو بے خود موہانی، محشر لکھنوی، تمنا لکھنوی اور یاس یگانہ چنگیزی جیسے بے مثال شعرائے کرام کی قربت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ مگر یہ سلسلہ شعر و سخن زیادہ عرصے تک جاری نہ رہ سکا، کیونکہ بقول سیف زلفی صاحب:۔

"..... "مرتضیٰ" کا شعور جوان ہونے لگا تو مرزا یاس یگانہ چنگیزی، بے خود موہانی، محشر لکھنوی، پروفیسر مسعود حسن، تمنا لکھنوی اور حکیم صاحب عالم جیسی ہستیوں کی محفلوں میں پروان چڑھنے لگا۔ قدرت کا التفات کہئے یا پھر حسن اتفاق یہ سب کے سب مرتضیٰ کے پڑوسی تھے۔ مرتضیٰ کے والد ماجد صاحب علم و ادب تھے۔ گھر پر ادبی محفلیں ہوتی رہیں اور مرتضیٰ، مرتضیٰ حسین سے مرتضیٰ حسین فاضل ہو گئے۔ فاضل کی ابتداء شاعری سے ہوئی۔ منقبت، نعت اور غزل میں طبع آزمائی کی مگر تحقیق و تالیف کا یہ مرد میدان زیادہ عرصے تک شاعری کے زلف و رخسار نہ نکھار سکا اور اس میں فن، روح عصر اور محاسن و مصائب تلاش کرنے لگا۔ آج ادب کو مولانا مرتضیٰ حسین لکھنوی پر ناز ہے" (4)۔

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی نے شاعری سے اغماض برتا اور نثر نگاری کی جانب متوجہ ہوئے۔ ان کی ادبی تعمیر و تشکیل میں ان کی خاندانی وجاہت اور علمی و ادبی ثقاہت کے ساتھ لکھنؤ کی اس فضاء کو بھی بہت عمل دخل تھا..... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے عوامل تھے، جن کی بناء پر مولانا مرتضیٰ شاعری سے ترک تعلق کر کے اردو نثر کی جانب توجہ دینے لگے.....؟..... اس سوال کا جواب خود مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کی زبان سے سنیے:۔

"..... میں پرانے شہر لکھنؤ کے روایتی محلہ کا باشندہ ہوں۔ اپنے زمانے کے بزرگوں کے پاس بیٹھ کر ادب سیکھا۔ میرے ادب کو شبلی کی کتابوں نے بڑھایا۔ حالی اور آزاد نے سہارا دیا اور میں لکھنے لگا۔ میری تحریریں پڑھ کر ہمسنوں نے کم اور بزرگوں نے زیادہ حوصلہ افزائی کی۔ دوستوں میں حافظ علی صابر اور بزرگوں میں مسعود حسن رضوی ادیب نے سہارا دیا..... شہنشاہ حسین وکیل مرحوم کے یہاں منشی مہیش پرشاد سے مل کر مجھے غالبیات کے پڑھنے کا شوق ہوا۔ غالب پر بڑی اور مشہور کتابیں پڑھ کر آگے بڑھنے کا خیال آیا" (5)۔

علم و ادب سے والہانہ شیفتگی کے سبب آپ نے درس و تدریس ہی کو ذریعہ معاش بنایا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر "رستوگی پاٹ شالہ اسکول (لکھنؤ) میں مدرس ہو گئے۔ آپ کے علم و فضل اور طریقہ تدریس کے چرچے زباں زد عام ہوئے تو آپ کو شیعہ کالج (لکھنؤ) کے اسکول سیکشن میں بطور مدرس منتخب کر لیا گیا۔ آپ وہاں بھی اپنے فرائض نہایت حسن و خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ بے شمار طالبان علم و ادب نے آپ سے فیض اٹھایا اور آپ نے ہمیشہ ان کی اپنی

صلاحیتوں سے بھرپور رہنمائی فرمائی۔ آپ کے علمی و ادبی کارنامے آج بھی اہل لکھنؤ کی زبان پر ہیں۔

مولانا مرتضیٰ حسین کی شادی خانہ آبادی ماہ اگست 1947ء میں علامہ مولانا سید زاہد حسین بارہوی کی بڑی صاحبزادی سیدہ خاتون عالم صاحبہ کے ہمراہ بحسن و خوبی سرانجام پائی۔ آپ کی خلیق، خدا ترس، عابدہ اور باکردار زوجہ محترمہ نے تمام زندگی مولانا کی خدمت کو اپنا اولین مقصد حیات گردانا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مولانا کی عملی اور علمی زندگی میں بھی ان کی مدد و معاون رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بقول ضیاء عالم:-

"کثرت عیال اور قلت معاش کے باوجود مولانا کے قلم کی روانی اور علمی مصروفیات میں کبھی تعطل نہیں آیا" (6)-

مولانا مرتضیٰ جولائی 1950ء میں لکھنؤ سے ہجرت کر کے لاہور تشریف لے آئے اور یہیں مستقل قیام فرمایا۔ درس و تدریس سے قلبی تعلق کی وجہ سے گورنمنٹ ہائی اسکول باغبان پورہ لاہور میں اورینٹل زبان کے مدرس مقرر ہوئے۔ لکھنؤ اور اس کے گردونواح میں آپ کے علمی و تحقیقی معیار کی شہرت ہو چکی تھی۔ لہٰذا لاہور آتے ہی آپ کی خوب پذیرائی ہوئی۔ خصوصاً" علم و ادب سے متعلق اداروں اور پبلشروں خصوصاً" شیخ مبارک علی اور شیخ نیاز احمد نے آپ کی انتہائی عزت و تکریم کی۔ اس پذیرائی سے مولانا مرتضیٰ کے حوصلے بلند ہوئے اور آپ اپنے تحقیقی و تنقیدی کام کو باقاعدہ شکل دینے لگے۔ اس کے ساتھ ساتھ بقول سید حسین عارف نقوی:-

"آپ نے پاکستان آنے کے ساتھ ہی دینی مدارس کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ جامع **المنتظر**، جامعہ امامیہ اور مدرسۃ الواعظین کے قیام میں نمایاں حصہ لیا۔ اس کے علاوہ امامیہ مشن لاہور، ادارہ معارف اسلام اور پاکستان حسینی مشن راولپنڈی کی تاسیس و توسیع میں اہم کردار ادا کیا" (7)-

پاکستان آنے کے بعد مولانا مرتضیٰ حسین نے دو سمتوں میں مسلسل کام کیا۔ ایک جانب تو انہوں نے علمی و ادبی میدان میں تحقیق و تنقید کے موضوع پر گراں قدر سرمایہ چھوڑا اور دوسری طرف انہوں نے دینی میدان میں اس قدر وقیع اور بلند پایہ خزانہ چھوڑا ہے کہ اس پر جس قدر فخر کیا جائے کم ہے۔ مولانا نے درج ذیل درس گاہوں، تحقیقی اداروں اور تنظیموں سے علمی و ادبی سطح پر تعلق قائم رکھا:-

1- مجلس ترقی ادب لاہور
2- ترقی اردو بورڈ کراچی
3- مرکزی اردو بورڈ لاہور
4- پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور
5- اورینٹل کالج لاہور

6- دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب لاہور

7- ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

8- ادارہ علوم آل محمدؐ، شیخوپورہ

9- جامع **المنتظر** لاہور

10- امامیہ پبلی کیشنز لاہور

لاہور میں آپ کا حلقہ احباب نہایت وسیع تھا۔ علمی ثقاہت کی وجہ سے ناقدین آپ کو معتبر گردانتے تھے۔ آپ کے قریبی دوستوں اور ساتھیوں میں ڈاکٹر عبادت بریلوی، امتیاز علی تاج، غلام رسول مہر، پروفیسر وزیر الحسن عابدی، سکندر آغا، ڈاکٹر آغا سہیل، صادق علی ولادی، ڈاکٹر صفدر حسین، محمد شفیع دہلوی، سید وحید الحسن ہاشمی، پروفیسر عابد علی عابد، احمد ندیم قاسمی، پروفیسر حمید احمد خان، عبدالمجید سالک، ڈاکٹر وحید قریشی اور ڈاکٹر سید عبداللہ قابل ذکر ہیں.... اسی طرح دینی حوالے سے آپ کے علامہ حافظ کفایت حسین، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، علامہ بشیر انصاری، علامہ مفتی جعفر حسین، مولانا اظہر زیدی، مولانا محبوب الحسن ہاشمی، مولانا محمد بخش مسلم، مولانا آغا علی موسوی، مولانا شبیہ الحسنین محمدی، مولانا سید اسعد گیلانی، مولانا نجم الحسن کراروی، مولانا جابر حسین، مولانا مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا صفدر حسین مشہدی، مولانا محمد عباس، مولانا نسیم امروہوی وغیرہ سے خصوصی اور قریبی مراسم تھے۔ ان قدآور علمی و ادبی شخصیات کے مابین رہنا، گفت و شنید کرنا اور باہمی طور پر علمی، مذہبی اور ادبی مسائل حل کرنا بذات خود مستحسن اقدام ہے۔ ان احباب و احباب کی صحبت کا اثر تھا یا اپنا ذاتی میلان بہرحال مولانا مرتضیٰ حسین نے اپنی تمام زندگی میں ان ہی دونوں سمتوں کو اپنایا اور آپ کا تمام تر سرمایہ انہی دونوں رخوں کی نشان دہی کرتا ہے۔

مولانا مرتضیٰ حسین قطعی طور پر غیر سیاسی شخصیت تھے تاہم سیاسی اتار چڑھاؤ سے بخوبی آگاہ رہتے تھے۔ تقسیم برصغیر سے قبل دانش ورانہ سطح پر مسلم لیگی حلقوں میں آپ کی کافی قدر و منزلت ہوتی تھی۔ مسلم لیگی رہنماؤں خصوصاً ابن حسن جارچوی اور راجہ صاحب محمود آباد سے آپ کے قریبی روابط قائم تھے۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ تشکیل پاکستان کے لئے بھی مولانا مرحوم کی خدمات پیش پیش رہی ہوں گی۔۔۔ پاکستان آکر مولانا مرتضیٰ حسین نے عملی سیاست میں حصہ نہیں لیا۔ تاہم حق کی حمایت میں آپ نے ہمیشہ اپنی خدمات پیش کیں۔ آپ نے ہمیشہ اسلام اور اسلامی نظام حکومت کی حمایت کی۔ آپ اتحاد بین المسلمین کے زبردست حامی تھے اور اس سلسلے میں پیش پیش رہتے تھے۔ امامیہ آرگنائزیشن پاکستان، شیعہ مطالبات کمیٹی پاکستان، تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان اور امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان سے آپ کے قریبی اور خصوصی روابط تھے۔ مولانا مرتضیٰ حسین نے اپنی سیاسی بصیرت اور شہرت کو کبھی منفی انداز میں استعمال نہیں کیا۔ وہ عالمی اتحاد اسلامی کے داعی تھے، اور اپنی ہر تقریر میں اتحاد بین المسلمین کی ضرورت پر زور دیتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ آپ سنی اور شیعہ ہر مکتبہ فکر میں عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھے جاتے

تھے۔

مولانا مرحوم علم و ادب کے رسیا تھے اور اس کی خاطر ہر قسم کی صعوبت برداشت کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ علم سے والہانہ شیفتگی کا یہ عالم تھا کہ حصول علم کے لئے آپ کشاں کشاں دوسرے ممالک کے سفر بھی اختیار کر لیتے تھے۔ گویا ان سفروں کے پس منظر میں بھی تلاش علم کا جذبہ کارفرما رہا۔ آپ 1969ء میں کویت، عراق، شام، لبنان اور ایران گئے۔ زیارات سے مشرف ہوئے، وہاں کے ادب کا بغور مطالعہ کیا، اور تین ماہ بعد واپس تشریف لائے۔ 1970ء میں کویت اور حجاز گئے۔ حج کیا اور وہاں کے تعلیمی اداروں اور کتب خانوں کا جائزہ لیا۔ 1979ء میں ایران گئے اور وہاں کے سیاسی اور سماجی حالات کا بغور مشاہدہ کیا۔ 1982ء میں ایک مرتبہ پھر ایران گئے۔ ایران کے لئے آپ کا سب سے اہم سفر 1984ء میں ہوا اور وہاں ایک برس تک مطالعاتی قیام رہا۔ اس دوران میں آپ ہمدان، اصفہان، نیشاپور، تہران، قم اور خوانسار گئے اور علمی و ادبی اعتبار سے وہاں کے طلبہ کو مستفیض کیا اور اکابر علماء سے کسب فیض کیا۔ 1986ء میں آپ امریکہ تشریف لے گئے اور نیویارک اور نیوجرسی میں قیام کیا۔ 4 جنوری 1987ء کو آپ نے آخری مرتبہ ہندوستان کا سفر کیا۔ لکھنؤ میں آپ کی خوب عزت و تکریم ہوئی اور آپ نے درسگاہوں میں لیکچر دیئے اور لائبریریوں کا مطالعہ کیا۔ اس طرح دینی اور دنیاوی علوم و فنون سے آگاہی حاصل ہوئی اور آپ کے قلب و نظر میں کشادگی واقع ہوئی۔

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کی علمی، مذہبی، ادبی، تحقیقی اور تخلیقی تصانیف کا ملکی اور غیر ملکی سطح پر اعتراف کیا گیا اور ان کے بعض مضامین اور تصانیف کا دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا۔ بیروت، ہندوستان، مشہد، تہران، بنگلہ دیش اور افغانستان سے نکلنے والے جریدوں میں مولانا کی تحریریں چھپتی رہتی تھیں اور اسی سبب سے اعلیٰ تر ادبی اور مذہبی سیمیناروں اور کانفرنسوں میں مولانا کو شمولیت کی دعوت ضرور دی جاتی تھی۔ مولانا نے ملکی اور غیر ملکی تقریباً دو سو سے زیادہ کانفرنسوں میں شرکت فرمائی اور متعدد مقالات پڑھے۔ آپ کی مذہبی ثقاہت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا کے معتبر محدثین مثلاً" سید المحدثین، عماد المحققین آغا بزرگ طہرانی، استاد العلماء رئیس الذاہدین السید جزائری شوستری، عمدۃ الفقہا، زبدۃ الورعین سید محمد حسین رضوی، تاج الاساتذہ سلطان العالمین سید محمد حسین رضوی، عمدۃ العلماء حجتہ الاسلام سید کلب حسین نقوی، حجتہ الاسلام سید طیب الجزائری، آیت اللہ العظمیٰ، المحدث الکبیر سید شہاب الدین وغیرہ نے آپ کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نقل کرنے کا خصوصی اجازہ عطا فرمایا تھا۔ یہ اجازہ ہی مولانا کی مذہبی حیثیت کو تسلیم کرانے کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح آپ کے ادبی مقام کو تسلیم کرتے ہوئے کئی جریدوں میں ادارت کا قلم آپ کے سپرد ہوا۔ ان رسالوں میں بیان ادب، پیام عمل اور توحید اردو کو خاص مقام حاصل رہا ہے۔

مولانا مرتضیٰ کو قرآن پاک سے والہانہ شیفتگی تھی۔ ان کی دیرینہ خواہش تھی کہ وہ قرآن مجید کی مکمل تفسیر لکھیں اور روز محشر مفسر قرآن کی حیثیت میں محشور ہوں۔ اپنی اس تمنا کی بجا آوری کے لئے انہوں نے باضابطہ کام بھی

شروع کر دیا تھا۔ دن رات ایک کر کے اسی کام میں مصروف رہتے۔ روز و شب کی اسی ریاضت نے آپ کے ضعف اور انحطاط صحت میں اضافہ کیا۔ اس سلسلے میں انہیں کئی ملکی و غیر ملکی سفر بھی کرنے پڑے۔ اسی دوران ان کی بینائی بھی متاثر ہوئی۔ آپریشن تو کامیاب ہو گیا مگر کمزوری روز بروز بڑھتی گئی۔ ان تمام حالات کے باوجود مولانا کے مطالعہ کا ذوق کم نہ ہوا۔ اس سلسلے میں ان کے بڑے صاحبزادے مولانا سید حسین مرتضیٰ رقمطراز ہیں:۔

"..... ہم نے پانچ برس کی عمر سے ان کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا اور ان کو ہمیشہ لکھتے ہوئے پایا۔ رات کے دو بجے ہوں یا صبح کے تین، جب بھی آنکھ کھلی ان کو یا لکھتے پایا یا محو مطالعہ، ہم لوگ ہمیشہ پوچھا کرتے تھے"۔

ابی! آپ سوتے کب ہیں؟

آخری ایام میں بھی جب ان کی صحت کمزور ہو چکی تھی اور ڈاکٹروں نے ان کو لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا تھا، ہسپتال تک میں وہ کتابیں منگوا کر مطالعہ اور تحریر کا کام جاری رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ان دنوں جب ان کے لئے چلنا پھرنا اور اٹھنا بیٹھنا بھی سہارے کے بغیر ممکن نہیں تھا، وہ ان دنوں میں آنکھ بچا کر مطالعہ اور تحریر کا کام کر ہی ڈالتے تھے۔ رحلت سے ایک دن قبل چند لمحے کے لئے ابی مرحوم کے کمرے سے باہر آیا۔ جب واپس پہنچا تو دیکھا ایک مسودہ مرتب کر کے فائل میں رکھ رہے ہیں، بڑے ادب سے عرض کی:۔

"ابی! آپ پر بوجھ پڑے گا..... چھوڑ دیجئے، ہم کر دیں گے"۔

لپٹا لیا، فرمانے لگے:۔

"جی نہیں مانتا کیا کروں....؟ نہ کروں تو الجھن ہونے لگتی ہے، بھائیوں کو سمجھا دو، مجھے پڑھنے لکھنے سے نہ روکا کریں" (8)۔

اسی زمانے میں کثرت کار کے سبب سے ان کے دیگر اعضائے جسمانی بھی متاثر ہونے لگے، لہٰذا انہیں شیخ زاید ہسپتال لاہور میں داخل کرا دیا گیا۔ یہاں بھی ان کی حالت نہ سنبھلی۔ لہٰذا انہیں میو ہسپتال لاہور میں داخل کرا دیا گیا۔ آخرکار آسمان علم و ادب کا یہ روشن ستارہ 23 اگست 1987ء اتوار کے دن نو بجے صبح دوستوں اور عزیزوں سب کو گریاں چھوڑ کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا!

انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا مرتضیٰ مرحوم کو اپنے مکان میں غسل و کفن دیا گیا۔ عزیزوں اور حاضرین نے رات ساڑھے سات بجے متوفی کے چہرے کی زیارت کی اور ساڑھے نو بجے شب مرحوم کی نماز جنازہ ادا کی گئی، جس کی امامت مولانا مرزا یوسف

حسین صاحب قبلہ نے فرمائی۔ برادران اہل سنت کے اصرار پر ایک عالم دین نے دوسری نماز جنازہ اپنے طریقے سے پڑھائی۔ مرحوم کو قبرستان شاہ کمال (مغل پورہ لاہور) میں دفن کیا گیا۔ پہلے مولانا سید علی شرف الدین صاحب موسوی اور ان کے بعد جناب حسین مرتضیٰ نے تلقین پڑھی۔ اس طرح گنجینہ علم و ادب کو تہہ خاک محفوظ کر دیا گیا:

ہوئے باغ نذر خزاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

مولانا مرتضیٰ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت شریف النفس، صالح اور باعمل اولاد سے نوازا ہے۔ آپ کے درج ذیل پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں:۔

1- سید حسین مرتضیٰ

(ایم - اے علوم، اسلامیہ، مدرس حوزہ علمیہ، صاحب تصنیف، اہم تصانیف (ا) فقہ اسلامی مدینہ سے حلہ تک، (ب) کردار کی روشنی، (ج) شیعہ کتب، حدیث کی تاریخ تدوین)۔

2- سید جعفر مرتضیٰ

(ایم - کام، ملازم، نیشنل فرٹیلائزر مارکیٹنگ لمیٹڈ لاہور)۔

3- ڈاکٹر سید باقر مرتضیٰ

(ایم- بی- بی- ایس- ایم- ڈی---- مقیم تاحال، کیلیفورنیا، امریکہ)۔

4- سید عابد مرتضیٰ

(انٹر- کاروبار (ذاتی)۔

5- سید کاظم مرتضیٰ

(بی- کام---- ذاتی کاروبار)۔

6- سیدہ نرجس مرتضیٰ

(بی- اے---- مقیم کراچی---- شوہر سید کمال رضوی- ملازم ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن، کراچی)۔

مولانا مرتضیٰ مرحوم نے تمام عمر درس و تدریس کو مشغلہ بنائے رکھا۔ آپ نے نہ صرف اسکولوں بلکہ دینی مدارس، کالجوں، یونیورسٹیوں، غرض ہر جگہ تعلیم دینے کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہی سبب ہے کہ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر چکی ہے۔ آپ فارسی، عربی اور اردو ادب کے علاوہ فلسفہ و منطق، مناظرہ، علم کلام اور فقہ و اصول

کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ اس ظاہری تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ خاص طور پر طلبہ کی اخلاقی و معنوی تربیت پر بہت زور دیتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ آپ کے شاگرد آپ کا بہت احترام کرتے تھے اور آج بھی ان کا نام نہایت عقیدت و احترام سے لیتے ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں کاظم علی خان (لکھنؤ)، ڈاکٹر حسین محمد صاحب جعفری (لندن۔ کراچی) اور حجتہ الاسلام مولانا سید محمد حسن صاحب (کراچی) زیادہ مقبول و معروف ہیں (9)۔

مولانا مرتضیٰ حسین مرحوم کے انتقال کی خبر ریڈیو پاکستان لاہور اور پاکستان ٹیلی ویژن لاہور سے نشر ہوئی تو ان کے چاہنے والوں کی ایک کثیر تعداد آخری دیدار کے لئے مرحوم کے دولت کدے پر جمع ہو گئی۔ علمی و ادبی حلقوں میں یہ خبر نہایت رنج و الم کے ساتھ سنی گئی۔ بہت سی انجمنوں اور علمی و ادبی اداروں نے قرار داد تعزیت پیش کی اور مرحوم کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ معروف شاعر جناب ظہور حیدر جارچوی نے ارتجالاً" قطعہ تاریخ وفات کہا:

عاشق فاتح حنین لے گئے خانداں کا چین
صدر الافاضل اہل علم آپ تھے مرتضا حسین ۱۹۸۷ء

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کا تعلق لکھنؤ کے اسی خانوادے سے تھا جو مشرقی تہذیب و شرافت کا علمبردار تھا اور اس میں لکھنوی طرز احساس کوٹ کوٹ کو بھرا ہوا تھا۔ عام روزمرہ معمولات سے لے کر خاص امور کی انجام دہی تک اس خانوادے کا ہر فرد مجسمہ شرافت تھا اور یہی تہذیبی ورثہ مولانا مرتضیٰ حسین میں منتقل ہوا تھا۔ مولانا کی سیرت و کردار کا سب سے نمایاں وصف ان کی متانت و انکساری تھا۔ وہ بڑے چھوٹے سب سے منکسرالمزاجی سے پیش آتے اور ان کے مسائل کو نہ صرف توجہ سے سنتے بلکہ انہیں حل کرنے کی ممکنہ کوشش فرماتے تھے۔ اپنی سیرت و کردار کی جانب اشارا کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"... اخلاق کا پابند ہوں۔ چھوٹوں کو بڑا دیکھنے کی تمنا ہے۔ بڑوں کا احترام فرض جانتا ہوں۔ عاجزی فطرت ہے اور صاف دلی طینت۔ کسی سے دشمنی اور اختلاف نہیں رکھتا" (10)۔

مولانا کی یہ اخلاقیات دراصل لکھنوی تہذیب کی دین ہے۔ لباس اور معمولات سے لے کر تحریر و تقریر تک جو ایک سلسلہ نفاست مولانا کے ہاں ملتا ہے، اسے اس لکھنوی تہذیب کی عطا کہنا چاہئے۔ اس سلسلے میں محترم سیف زلفی رقمطراز ہیں:۔

"... مولانا سیدھی سادی اسلامی اور باوقار زندگی گزارتے ہیں۔ اپنے حلقے میں ان کی متانت، راست گفتاری، سادگی، شرافت اور خاندانی وقار کی زیادہ قدر ہے۔ مولانا کبرونخوت سے دور ہیں۔ انکساری ان کا شعار ہے" (11)۔

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مولانا مرتضیٰ حسین کی سیرت اور کردار ایک گم شدہ تہذیب کی یاد دلاتا ہے اور ان کی زندگی کا ہر طرز عمل قابل فخر سرمایہ ہے۔

مولانا مرتضٰی حسین کا تعلق ایک علمی و ادبی گھرانے سے تھا' یہاں لکھنا پڑھنا اصلاً" اوڑھنا بچھونا تھا۔ اسی بناء پر مولانا کی تصنیفی زندگی کا آغاز نہایت کم سنی میں ہوا۔۔۔ حالی' آزاد' شبلی' نذیر احمد اور غالب کی تحریروں نے انہیں بے حد متاثر کیا۔ لہٰذا آپ اسی مروجہ اسلوب میں طبع آزمائی کرنے لگے۔ اپنی علمی زندگی کے بارے میں خود رقمطراز ہیں:۔

"..... میں اپنی زندگی کے بارے میں دو رجحانات کا مالک رہا ہوں:۔

1- طالب علمی سے فراغت کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ ادب' تاریخ اور فقہ و حدیث پر کام کروں گا۔ ان دنوں میں خواص و عوام کے رجحان اور اپنی ناتجربہ کاری کے پیش نظر خیام اور غالب کو پسند کیا۔ خیام پر میں نے بہت کام کیا' جس کا ایک نیم پختہ نمونہ "خیام اور رباعیات خیام" نامی کتاب ہے۔ غالب پر میں نے اپنی زندگی کے کم و بیش تیس سال اور ہزاروں روپے صرف کئے' تب کہیں اس تحقیقی کام کا ایک حصہ مکمل ہوا اور کلیات غالب (فارسی) اردوئے معلیٰ' عود ہندی کے علاوہ بہت سے مقالات و رسائل لکھے' جو چھپ چکے ہیں۔

2- ادبی تجربہ کے بعد تفسیر' حدیث اور قرآن کا کام ہے۔ میں نے طالب علمی کے زمانے سے حدیث کا مطالعہ شروع کیا اور "تجرید الکافی" کے نام سے ایک کتاب مرتب کی' جس کا مقدمہ "تاریخ تدوین" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ اس کے بعد طلب حدیث کے لئے کتاب المومن کو بنیاد بنا کر میں نے قم' نجف اشرف' مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کا سفر کیا۔ یہ کتاب بھی چھپ چکی ہے۔

فقہ' حدیث و اصول پر اپنے کام کے ساتھ ساتھ میں نے اپنی تمنائیں اپنے بڑے فرزند سید حسین مرتضٰی کے سپرد کر دیں۔ وہ تاریخ تدوین حدیث پر بہت سا کام کر چکے ہیں" (12)۔

آپ کی تحقیق اور علمی بصیرت کی شہرت جلد ہی پورے برصغیر میں پھیل گئی اور آپ کے تحقیقی مقالے علم و ادب کے شیدائیوں کی پیاس بجھانے لگے۔ آپ کی تحریروں میں ایک باوقار انداز اور عالمانہ شان پائی جاتی ہے۔ آپ اپنے ہر نکتے کو استدلال سے اس طرح مربوط کرتے کہ مخالفین کو بھی سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ آپ کے انداز تحریر کے ایک خاص رخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر آغا سہیل رقمطراز ہیں:۔

"..... مولانا کا شمار ان بیدار مغز اور روشن دماغ علماء میں کرنا چاہئے' جو کائنات کے بارے میں علمی اور سائنسی نقاط نظر پر گہری نظر رکھتے ہیں اور نوع بشر کی فلاح و بہبود کے قوی تر اور وسیع تر امکانات کو عالم ممکنات میں شمار کرتے ہیں۔ وہ زمان و مکان کے جدید و قدیم مذہبی و سائنسی نظریات سے کماحقہ' باخبر بھی ہیں اور اس سلسلے میں اپنی مخصوص رائے بھی رکھتے ہیں" (13)۔

مولانا مرتضٰی حسین کے تصانیف کا بغور جائزہ لیں تو انکشاف ہوتا ہے کہ یہاں موضوعات کا ایک بحر بیکراں

ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اس طرح ان کے موضوعات میں ایک تنوع اور ہمہ گیری ملتی ہے۔ مولانا مرحوم نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا اور اپنی مخصوص سوچ اور خاص انداز نگارش کے ذریعے اس موضوع کو سیراب کردیا۔ یہی سبب ہے کہ ان کی تحریروں میں موضوعات کا ایک عظیم الشان ذخیرہ ملتا ہے' جو اپنی وقعت' ثقاہت اور اہمیت کے اعتبار سے نہایت گراں قدر قرار دیا جاسکتا ہے۔

مولانا مرتضیٰ حسین نے مختلف شعبوں میں قلم اٹھایا اور اپنی جدت طبع سے ان شعبوں کو مالا مال کردیا۔ اسلامی موضوعات میں سے انہیں رجال' حدیث اور تفسیر سے خصوصی ارادت تھی اور ان موضوعات پر انہوں نے گراں قدر سرمایہ چھوڑا۔ ادب میں ان کو کلاسیکی شعرو ادب سے خاص انسیت تھی' مگر غالب سے وہ بے پناہ ارادت رکھتے تھے اور انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ غالب کے سلسلے میں تحقیق و تنقید پر صرف کردیا۔ یہی سبب ہے کہ انہیں "غالب شناس" کے طور پر منفرد حیثیت حاصل تھی اور انہیں غالب کا معتبر محقق گردانا جاتا تھا۔ کلاسیکی شعرو ادب سے بے پناہ لگاؤ کے باوجود آپ جدید علوم اور تحاریک سے آگاہ تھے اور شعراء اور جدید شعری رویوں پر بھی آپ نے بے شمار مضامین تحریر فرمائے' جو علمی و ادبی حلقوں میں شہرت حاصل کرچکے ہیں۔

مولانا مرتضیٰ حسین نے اپنی تصنیفی زندگی میں تقریباً 310 تصانیفات و تالیفات یادگار چھوڑیں' جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت اہم اور گراں قدر ہیں.... ان تصنیفات و تالیفات میں سے 85 ہنوز نامعلوم اور 23 مفقود ہیں۔ اس طرح 225 معلوم و موجود تصنیفات میں سے 100 مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔ اور 102 ہنوز غیر مطبوعہ صورت میں محفوظ ہیں۔ مولانا مرحوم نے اردو کے علاوہ فارسی اور عربی میں بھی کتابیں لکھی ہیں۔ اسی طرح بعض تصنیفات دونوں زبانوں میں موجود ہیں۔ اردو میں آپ نے 144' عربی میں 32 اور فارسی میں 16 کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اسی طرح عربی و اردو مشترک کتابوں کی کل تعداد 28' فارسی و اردو کی کل تعداد 3 اور عربی و فارسی کی کل تعداد 2 ہے۔ مختلف زبانوں میں لکھی گئی ان کتابوں سے مرحوم کی زبان شناسی اور زبان دانی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا مرتضیٰ حسین کی تمام زندگی تصنیف و تالیف کرتے گزری۔ اس سلسلے میں آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا سید حسین مرتضیٰ رقمطراز ہیں:۔

> "....انہوں نے اپنی 64 سالہ زندگی میں علم و ادب کے مختلف شعبوں میں کم از کم 300 تالیفات بطور یادگار چھوڑیں' جو ان مضامین و مقالات کے علاوہ ہیں' جو ہزاروں کی تعداد میں دنیا بھر کے علمی و ادبی و تحقیقی رسالوں' مجلوں اور روزناموں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان میں سے بعض تالیفات مرحوم کے کتاب خانے میں مل گئی ہیں' بعض کا تذکرہ ان کی تحریروں اور تالیفات میں مل گیا ہے اور بعض ایسی ہیں' جن کا نام و نشان ابھی تک نہیں مل سکا" (14)۔

اب ذیل میں موضوعات کے حوالے سے مولانا مرتضیٰ حسین کی اہم کتابوں کی ایک ضمنی فہرست پیش کی جا رہی

ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ ناقدین اس صورت میں مولانا موصوف کی مختلف ابعاد شخصیت سے بھی آگاہ ہو جائیں گے، اور ان کے متنوع النوع اور دل پسند موضوعات قارئین کی نگاہوں میں آجائیں گے:۔

(ا) مذہب

1- آیت اللہ خمینی۔ قم سے قم تک	(تاریخ)	1979ء
2- اصول اسلام اور ہم	(عقائد و اخلاق)	1972ء
3- امام حسینؑ کے تعلیمات	(سیرت و حدیث)	1960ء
4- اوصاف الحدیث	(درایت)	1960ء
5- تاریخ تدوین حدیث و تذکرہ شیعہ محدثین	(تاریخ حدیث)	1957ء
6- تاریخ عزاداری	(تاریخ)	1381ھ
7- جہاد حسینیؑ	(تاریخ) 1957ء	
8- حقوق اموات (حقوق)	1976ء	
9- خطیب قرآن	(سیرت)	1961ء
10- خواتین اور عاشورہ	(تاریخ)	1987ء
11- رسولؐ اور اہل بیت رسولؐ	(سیرت)	1966ء
12- سفیر سید الشہداءؑ	(تاریخ سیرت)	1978ء
13- صحیفہ کاملہ	(دعائے امام زین العابدینؑ)	1958ء
14- صلح امام	(تاریخ)	1957ء
15- فضائل علیؑ	(سیرت)	1406ھ
16- کتاب المقتبس	(احادیث نبویؐ)	(قلمی)
17- کربلا۔۔ تاریخ و تعمیر	(حدیث)	1971ء
18- متعہ اور قرآن	(تفسیر و فقہ)	1986ء
19- مطلع انوار	(تذکرہ)	1981ء
20- نہج البلاغہ	(حدیث)	1987ء
21- ہدیہ نیاز، صحیفہ علویہ	(دعا) (دوم)	1975ء
22- ہمارا پیام	(کلام) 1983ء	

(ب) ادب

1- آتش گل (انتخاب کلام جگر مراد آبادی) 1962ء

2- احوال آتش و تعارف کلیات 1972ء

3- احوال و رباعیات خیام 1965ء

4- اردوئے معلیٰ (تدوین، تحقیق، حواشی، مقدمے) 1969ء

5- اقبال کی کہانیاں (بچوں کے لئے اقبال کی کہانیاں) 1971ء

6- انیس اور مرثیہ (بسلسلہ صد سالہ یادگار انیس) 1976ء

7- جواہر دبیر (دبیر کے چودہ مرثیے) 1986ء

8- سبدچین پر ایک نظر 1950ء

9- عودہندی (مکتوبات غالب) 1967ء

10- کلیات آتش 1973ء

11- کلیات غالب (فارسی) 1967ء

12- کلیات فیضی 1967ء

13- مثنوی ابر گہربار (فارسی) 1966ء

14- مثنویات حالی (ترتیب، تحقیق، مقدمہ) 1966ء

15- مرثیہ تاریخ سے تجربہ کی طرف 1976ء

16- مکاتیب آزاد (محمد حسین آزاد کے مکاتیب) 1966ء

17- منتخب مراثی انیس 1974ء

18- نہج البلاغہ کا ادبی مطالعہ 1959ء

19- درج ذیل شعراء کے کلام کا انتخاب کیا اور مقدمہ تحریر کیا:-
آتش، امیر شاہی سبزواری، فیضی، ذوق، میر، ناسخ، فانی۔

20- مندرجہ ذیل شعرائے کرام کے حوالے سے مضامین مقدمہ کی شکل میں لکھے:-
آلِ رضا لکھنوی، شاہد نقوی، آغا سکندر مہدی، شاد لکھنوی، سہیل بناری۔

(ج) لسانیات

1- اردو قواعد و انشا (قواعد اردو) 1977ء

-2	الفاظ عربیہ	(لغت عربی۔ اردو)	(س-ن)
-3	بیان معانی	(شعر و ادب فارسی)	1957ء
-4	جدید نسیم اللغات	(اردو لغت بہ تعاون نسیم امروہوی)	1955ء
-5	جناح الادب (جلد 1 تا 3)	(ادب و قواعد)	1954ء
-6	جناح القواعد	(قواعد عربی)	1954ء
-7	حل لغات المحتف العربی	(لغت، عربی اردو)	(قلمی)
-8	دروس القواعد	(قواعد، عربی اردو)	1976ء

(د) سفرنامے

-1	پرانی منزلیں، نئی راہیں	(مفصل سفرنامہ مع تاریخی و جغرافیائی تحقیقات) (غیر مطبوعہ)	1974ء
-2	سفر ایران	(روزنامچہ، 25 جون 87ء تا 25 جون 87ء)	غیر مطبوعہ
-3	سفرنامہ حج و زیارات	(نومبر 1971ء تا اکتوبر 1972ء)	مطبوعہ
-4	یادداشتیں	(سفرنامہ حج، 1296ھ)	قلمی

"حواشی"

-1 مولانا مرتضیٰ حسین کے شاعر ہونے کے بارے میں ناقدین میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر سجاد باقر رضوی صاحب کی روایت کے مطابق مولانا مرحوم نے ان سے کہا تھا کہ وہ شاعر نہیں ہیں اور فاضل ان کا تخلص نہیں، بلکہ صدر الافاضل کی بگڑی شکل ہے۔ سیف زلفی صاحب، ڈاکٹر آغا سہیل صاحب اور مولانا حسین مرتضیٰ صاحب مرحوم کے شاعر ہونے پر اصرار کرتے ہیں اور فاضل ان کا باقاعدہ تخلص قرار دیتے ہیں۔ بہرحال ان آراء کی موجودگی اور تحقیق و جستجو کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مولانا مرحوم باقاعدہ شاعر تو نہ تھے، تاہم وہ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں بیک وقت شاعری پر دسترس رکھتے تھے اور کبھی کبھار منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ تلاش کے بعد مولانا مرحوم کے بعض اشعار بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ سردست ان کی فہرست پیش کرنا مناسب نہیں ہے۔ ان کی صرف ایک مطبوعہ نظم پیش خدمت ہے:۔

فی البدیہہ

انیسی دور کی پہلی صدی میں یہ بہاولپور کو عزت ملی ہے
پہل کر دی سکندر نے یہاں سے نظر کی بحث کی دعوت ملی ہے
انیس بے بدل اردو کا ہومر کہ جس سے شعر کو سطوت ملی ہے
ادب کا شاہ والا جاہ تھا وہ خدا سے کیا اسے عظمت ملی ہے
جہان لفظ و معنی زیر فرماں ستاروں تک اسے قدرت ملی ہے
نظر میں طرفگی لہجہ میں تیور ادب کو ندرت و جرات ملی ہے
انیس ملت فکر و نظر سے
ہماری فکر کو وسعت ملی ہے

(آغا سکندر مہدی (مرتب، اقلیم انیس، بہاولپور: اردو اکیڈمی، 1972ء) ص: 158

آپ کی تاریخ ولادت کے بارے میں اختلاف موجود ہے مگر تحقیق و جستجو اور درج ذیل اسناد کے حصول کے بعد اس تاریخ ولادت کا تعین کیا گیا ہے:۔

(ا) ضیا عالم، یادرفتگاں-- لاہور، روزنامہ "امروز" 16 ستمبر 1987ء

(ب) مرتضیٰ حسین، مولانا، بیاض، غیر مطبوعہ: مملوکہ سید حسین مرتضیٰ

(ج) حسین مرتضیٰ، مولانا، حاشیہ بقلم خود (غیر مطبوعہ)، بنام راقم الحروف

3- آغا سہیل، ڈاکٹر--- ایک فنکار--- لاہور: ماہنامہ "گلفشاں" جنوری 1969ء، ص: 15

4- سیف زلفی--- **ایضاً**--- ص: 17

5- مرتضیٰ حسین، مولانا--- سید مرتضیٰ حسین فاضل (خود نوشت) لاہور: ماہنامہ "گلفشاں" غالب نمبر، مارچ 1969ء: ص: 22

6- ضیاء عالم--- یادرفتگاں--- لاہور، روزنامہ "امروز" 16 ستمبر 1987ء

7- سید حسین عارف نقوی--- تذکرہ علمائے امامیہ--- اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی، ایران و پاکستان، 1984ء، ص: 381

8- حسین مرتضیٰ--- بوستان فاضل--- غیر مطبوعہ--- ص: 1

9- ملاحظہ فرمائیے:۔

ادارہ تحقیقات فارسی، ایران و پاکستان کے لئے بھیجی جانے والی فہرست--- تحریر بقلم مولانا مرتضیٰ حسین **فاضل۔**

10- مرتضیٰ حسین، مولانا--- خود نوشت--- لاہور: ماہنامہ "گلفشاں" مارچ 1969ء، ص: 94

-11 سیف زلفی --- ایک فنکار --- لاہور: ماہنامہ "گلفشاں" جنوری 196ء ص: 17

-12 حسین مرتضیٰ، مولانا --- چند صفحات، غیر مطبوعہ، ص: 6

-13 آغا سہیل، ڈاکٹر --- ایک فنکار --- لاہور: ماہنامہ "گلفشاں" جنوری 1969ء: ص: 16

-14 حسین مرتضیٰ، مولانا --- بوستان فاضل --- غیر مطبوعہ، ص: 2

کرنل سید نواب عالم بارہوی

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنؤی

سرزمین پاک و ہند میں علی گڑھ تحریک کے بعد پیدا ہونے والے ادیبوں میں دو الگ الگ طبقے صاف نظر آتے ہیں۔ ایک جدید انگریزی علوم پڑھے ہوئے ادیبوں کا طبقہ جن میں ادیب و شاعر' افسانہ نگار'ناول نگار اور نقاد سب شامل ہیں اور دوسرا دینی مدرسوں سے ابھرنے والے ادیبوں کا وہ طبقہ جو خالص طبعزاد ادیبوں سے علیحدہ لیکن منفرد و ممتاز نظر آتا ہے۔ کشت زار مدارس سے پیدا ہونے والے ان ادیبوں میں شبلی نعمانی' سلیمان ندوی اور ابوالکلام آزاد جیسی قد آور شخصیتوں کے نام آتے ہیں اور مولانا مرتضیٰ حسین کا تعلق بھی ادیبوں کے اسی ممتاز و منفرد قبیلے سے تھا۔ ہم انہیں علماء ادیب کہہ سکتے ہیں۔

مدرسہ کے تعلیم یافتہ ان ادیبوں کی عربی' فارسی اور اردو زبانوں پر قدرت صرف و نحو کی مہارت اور عروض و بیان پر کامل عبور ان کو علمی میدان میں ایک امتیاز عطا کر دیتا ہے اور ادیبوں کے طبقہ میں غیر معروف ہونے کے باوجود بھی ان کی نظرمیں یہ حضرات قابل احترام اور سند قرار پاتے ہیں۔

یہ علما ادیب ٹھوس علمی پس منظر کے حامل' پختہ ادبی شعور کے مالک اور ادب و شعر کے اصل ماخذ کے شناسا ہوتے ہیں۔

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنؤی بھی ایک ایسے ہی عالم و فاضل ادیب تھے' انھوں نے ایک دینی مدرسے میں تعلیم پائی۔ علماء کی صحبت میں بیٹھے اور اپنے ادبی ذوق کی تسکین کے لئے لکھنؤ کے ادبی حلقوں سے بھی فیض یاب رہے لیکن ان کا اصل تعلق طبقہ علماء سے رہا۔ انہیں تحقیقی کام کا ایک خاص ذوق تھا۔

1- سلطان المدارس لکھنؤ سے صدر الا فاضل پاس کیا تھا اور فارغ التحصیل تھے (ادارہ - اعجاز محمد)

وہ فقہ و تفسیر و حدیث و کلام کے ساتھ ایک ماہر زبان دان اور صرف و نحو پر قدرت رکھنے والے عربی' و فارسی اور اردو زبانوں کے عالم تھے۔ وہ شعر و ادب کو عروض و بیان کے پیمانوں پر پرکھنے کی کلاسیکی روایت سے خوب واقف تھے اور میرانیس اور مرزا دبیر کے جو انتخاب انھوں نے مرتب کیے ہیں ان میں کلاسیکی تنقید کی اس روایت کے پیش نظر مولانا نے ان مرثیوں پر خوبصورت تبصرے لکھے ہیں۔

مولانا شاعر' افسانہ نگار یا نقاد تو نہ تھے لیکن وہ ایسے ادب نواز عالم تھے جو ادب کی پرکھ' شعر کی فہم اور نقد و نظر

کا ہنر جانتا ہے اور جو شعر و ادب پر قلم اٹھاتا ہے تو ہمیشہ حوالے اور سند سے بات کرتا ہے۔

اردو ادب میں مولانا کا زیادہ کام تحقیق و تدوین و ترتیب کا کام ہے۔ ان کے کام میں ان کی عرق ریزی' دقت طلبی' ژرف نگاہی' صحت و اصلاح کی پابندی' ماخذ کی تلاش'سند کی جستجو'تحقیق و تجسس اور دوٹوک رائے کا اظہار ان کی امتیازی خصوصیات ہیں اور محققین جانتے ہیں کہ تحقیق و ترتیب کے میدان میں اس کام کی کیا اہمیت ہے۔

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی جب لاہور آئے تو یہاں کی ادبی و ثقافتی زندگی قدیم و جدید کے حسین امتزاج کی مزاج آشنا تھی اور کلاسیکی اقدار حیات کی نمایندہ شخصیتیں نقد و ادب کے سنگھاسن پر بڑے تزک و احتشام سے براجمان تھیں۔ کلاسیکی رو ترقی پسند تحریک کے متوازی لیکن ممتاز و منفرد تھی۔ یہ دور زرخیزی ادب کا بڑا منفرد دور تھا۔ اردو کی اجتماعی ادبی میراث کے دو سیاسی قومیتوں اور علاقوں میں بٹ جانے سے نئی ادبی ذمہ داری کے ساتھ ایک قومی فرض کا احساس بھی جاگ اٹھا تھا۔ اب ادب کے لیے نئے قومی سیاسی اور معاشرتی تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ قدیم ادبی ورثے سے بھی اپنے نئے رشتے استوار کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جہاں بہت سی چیزیں ایک دوسرے سے الگ ہو رہی تھیں وہاں مختلف تہذیبی عناصر ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے اور اسالیب و رجحانات کے نئے اشتراک سے فکر و نظر کے نئے اقدار ابھر رہے تھے اور پاکستان کے نقشے پر نئی دلی اور نئے لکھنؤ کی بنیادیں ڈالی جارہی تھیں۔

اس دور نے جہاں ادب کو نئے لوگ' نئے موضوعات' نئے اسالیب اور نئے آہنگ عطا کیے وہاں اس دور کی روح میں ایک نیا شعور بھی تخلیق کیا اور یہ علم و ادب میں قومی شعور کی آمیزش سے ابھرنے والا کلاسیکی ادب و ثقافت سے نئے رشتے قائم کرنا کا ایک تنقیدی اور تحقیقی شعور تھااس موقع پر یہ کہنا شاید بے محل نہ ہو کہ اس دور میں ترقی یافتہ دنیا میں پائی جانے والی علمی اور سائنسی فروغ کی کوششوں نے پاکستان کے ادیبوں اور عالموں میں اس روح کو بیدار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں یونیسکو' کولمبو پلان' فرینکان پبلیکیشز اور ایشیا فاونڈیشن جیسے اداروں کے تعاون و اشتراک سے قومی' ادبی اور علمی ورثے کو محفوظ کرکے اسے نئی نسل کے حوالے کرنے کی کوششیں تیز ہو گئیں جس کے نتیجے میں گوشہ گیر علماء و محققین کا طبقہ سامنے آیا اور تخلیقی ادب کے ساتھ ناقدین اور محققین کے راستے بھی متوازی ہوگئے۔

مولانا بھی اس دور کے جاگتے ہوئے شہر لاہور کی ایک ایسی شخصیت تھے جن کا تحقیقی شعور بیدار تھا اور ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے کسی مجلس یا کسی حلقہ کی حلقہ بگوشی اختیار کیے بغیر خود اپنی مسند علم پر بیٹھ کر اس وقت کی اس اہم ترین ضرورت کو پہچانا اور اپنے تخلیقی ذوق سے کام لیتے ہوئے اردو کے منتخب کلاسیکی سرمائے کو صحت و سند کے ساتھ نئی نسل کو پیش کرنے کی ذمہ داری کو از خود قبول کرلیا۔ مولانا نے کلاسیکی ادب سے جن نمایندہ شخصیتوں کا انتخاب کیا اس سے ان کے اپنے ذوق ادب کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اردو ادب کے طلباء کے لیے ان کا

مطالعہ کس قدر ضروری ہے۔ اردو نثر کی اہم ترین دستاویزات میں سے مولانا نے عود ہندی اور اردوئے معلیٰ کا انتخاب کیا اور اپنے خامہ تحقیق سے ایسے معیاری مجموعے مرتب کیے جن میں حواشی و اشارات اور سوانح و توضیحات نے غالب کی نثر کو زیادہ موثر اور غالب کے عہد کو زیادہ دلچسپ بنا کر پیش کیا۔ غالب کے علاوہ نثری ادب میں مولانا نے عہد سر سید کے عناصر خمسہ میں سے مولانا محمد حسین آزاد جن کے نواسے آغا محمد باقر کے ساتھ مولانا کا کافی اٹھنا بیٹھنا تھا اور مولانا الطاف حسین حالی کو چنا اور شاعری میں آتش و ناسخ، انیس و دبیر اور غالب نام آور کو مولانا نے ایک طرف تو برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی اس مشترکہ میراث کو جس کا امین اب صرف پاکستان تھا نمایاں کر کے ان قومی ادبی دستاویزات کے تحفظ کا ایک انتہائی اہم فریضہ انجام دیا اور دوسری طرف ملک میں ڈھلتی ہوئی نئی اردو زبان تخلیق کرنے والی نسل کو کلاسیکی ادبی روایات، ثقافتی علائم و رموز اور کلاسیکی ذخیرہ الفاظ و تراکیب سے آشنا کرنا بھی ضروری سمجھا۔ انیس و دبیر کے ذکر میں مولانا نے لکھنؤ کی خواب و خیال بن جانے والی اسلامی تہذیب اور خالص مشرق معاشرت کے جو خوبصورت نقشے کھینچے ہیں وہ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں یہاں ان کا بس نہیں چلتا کہ ان دنوں کو لوٹا لائیں ان ہستیوں کو زندہ کر دیں اور ان صحبتوں کو دوبارہ جما دیں ایسے موقعوں پر مولانا نثر میں شاعری کرتے ہیں اور ان کے لفظوں کے صوتی اثرات میں ان کے جذبات کی تھرتھراہٹ محسوس ہوتی ہے۔ تہذیب کے ان حسین مرقعوں کی مصوری میں مولانا کے قلم کی روانی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے لیکن مولانا کی تحریروں میں ان تہذیبی مجلسوں کے درہم برہم ہو جانے کا غم یا ان ادبی اداروں کے مٹ جانے کا الم نہیں ہے، وہ ماضی پرست نہیں ہیں وہ ماضی شناس ہیں اور کھنڈرات سے کام کی چیزوں کو محفوظ کر لینے کا ہنر جانتے ہیں مولانا نے کوشش کی ہے کہ انیس و دبیر کے کلام کو سمجھنے کے لیے جس دینی بصیرت، اسلامی روایات، تہذیبی پس منظر، معاشرتی اقدار، الفاظ و محاورات، علائم و نکات اور جس کلاسیکی شعور کی ضرورت ہے وہ ان سب کو سادگی سے پیش کر دیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان نزاکتوں کو سمجھنے والے ایک ایک کر کے اٹھتے چلے جائیں۔

لاہور ادبی اور علمی کاموں کے لیے نیا نہ تھا۔ یہ لاہور جو ابھی شاعر مشرق کی فلسفیانہ فکر، محققانہ نظر، عالمانہ تحریر اور شاعرانہ ذوق کی خوشبو سے مہک رہا تھا اور جس کے لالہ زار میں فکر اقبال کی آبیاری سے نمو پانے والی پنیری اب تناور درختوں میں بدل چکی تھی۔ لاہور جو مولانا مرتضیٰ حسین کے ابتدائی دور میں سر محمد شفیع، ڈاکٹر عبد اللہ، امتیاز علی تاج، غلام رسول مہر، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، رئیس احمد جعفری، علم الدین سالک اور عابد علی عابد جیسے زعمائے علم و ادب سے چھلک رہا تھا اور جن کے دم قدم سے پاکستان کے حوالے سے اردو زبان و ادب اور اسلامی علوم و فنون کے نئے تشخص کا احساس جاگ رہا تھا اور مختلف اداروں، تنظیموں اور مجلسوں کے تحت لاہور کے گوشے گوشے میں علمی اور ادبی میدانوں میں تحقیق و ترتیب و ادبی سرمائے کے تحفظ کے کام کا آغاز ہو چکا تھا۔ اب اردو صرف لاہور کی میراث نہیں بلکہ پورے پاکستان کا سرمایہ افتخار بن گئی تھی اور اہل لاہور کی ذمہ داری بڑھ گئی تھی۔

اب میرا جی ،ناصر کاظمی، فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، انتظار حسین اور الطاف فاطمہ ایک طرف تو دوسری طرف پروفیسر وقار عظیم، پروفیسر حمید احمد خان، پروفیسر وزیرالحسن عابدی، ڈاکٹر باقر اور ڈاکٹر عبادت بریلوی اور ڈاکٹر وحید قریشی جیسے ادیبوں اور علمائے ادب سے لاہور میں علم و ادب کی روایتیں مستنیر تھیں۔

یہ دور تھا کہ ٹھوس علمی کام کرنے والوں کی قدر و قیمت بحال ہوگئی تھی اور مجلس ترقی ادب والوں کی نظر مولانا کے ادبی جوہر کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ غالب سے مولانا کی دلچسپی کے ڈانڈے ان کے قیام میں لکھنؤ کی ادبی صحبتوں سے جاملتے ہیں لیکن اس سلسلے میں ان کا تحریری کام لاہور کے علمی حلقوں کی قدر افزائیوں کا مرہون منت ہے، شیخ نیاز احمد کی قدر دانی اور مولانا غلام رسول مہر کی حوصلہ افزائیوں نے مولانا کے ذوق تحریر کو مہمیز کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

مولانا ایک گوشے میں بیٹھ کر اپنی مدرسانہ مصروفیت روزگار سے فراغت کے اوقات میں چراغ نیم شب کی مدھم لو میں جس عرق ریزی اور ژرف نگاہی سے دواوین و کلیات عود ہندی اور اردوئے معلّٰی مرتب کرتے وہ فن تحقیق و ترتیب کی نزاکتوں کو جاننے والا ہی سمجھ سکتا ہے وہ صحت متن کے لئے قدیم سے قدیم نسخوں تک رسائی حاصل کرتے اپنے دور کی مستند شخصیتوں کو خط لکھتے ان سے ملتے ان سے معلومات حاصل کرتے کتب خانوں کی خاک چھانتے اور زیادہ سے زیادہ قلمی نسخوں اور مطبوعہ ایڈیشنوں کی فراہمی کی کوشش کرتے تاکہ ایڈیٹنگ کے ساتھ پورا پورا انصاف کرسکیں۔

مولانا نے تعلیم تو قدیم طرز کے دینی مدرسوں میں پائی تھی لیکن ان کا تحقیق کا اسلوب اور ایڈیٹنگ کا طریقہ جدید ترین اصول تحقیق کے مطابق تھا اور وہ ان اصولوں کو بڑی دیانت سے برتتے تھے۔

مولانا اردوئے معلّٰی کو مرتب کرنے کے بارے میں اپنی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے اردوئے معلّٰی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

> "مجھے 13 فروری 1946ع کو لکھنؤ کے مشہور بازار نخاس سے اردوے معلّٰی کا پہلا ایڈیشن ملا تو میں نے دوران مطالعہ سب نسخوں کو سامنے رکھ لیا اور نیت کی کہ ایک جامع نسخہ تیار کروں گا۔ جو نیا خط کسی رسالے سے ملا نقل کر لیا۔ لکھنؤ یونیورسٹی اور جناب مخدومی پروفیسر مسعود حسن صاحب ادیب مدظلہ کے کتب خانوں میں پرانے رسالوں کا مطالعہ کیا گلی گلی کی خاک چھانی اور اچھی خاصی چیزیں جمع کرلیں پاکستان آنے کے بعد چھان بین کا سلسلہ جاری رہا اور لگن لگی رہی۔
>
> 4 اگست 1965ء کو خوش نصیبی سے جناب سید امتیاز علی تاج صاحب مدظلہم نے حکم دیا کہ عود ہندی کے انداز پر اردوئے معلّٰی بھی مرتب کر دوں تو خیال ہوا کہ یہ کام سال بھر میں مکمل ہو جائے گا مگر چارپانچ سال کی مسلسل محنت کے بعد آج یہ سطریں لکھنے بیٹھا ہوں"۔

مولانا نے اردوئے معلّٰی کی تصحیح و ترتیب میں صرف بنیادی ماخذ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بڑی وقت پسندی سے

کام لیتے ہوئے متعدد اہم ماخذ سے کام لیا ہے۔ مولانا نے اس ترتیب و تصحیح میں جو محنت کی ہے اس کا مختصر تعارف بطور مشتے نمونہ از خروارے یہ ہے کہ

___اس میں ہر خط کا متعدد اہم ماخذ سے مقابلہ کیا گیا ہے اور ہر ایک کے حاشیے میں ان کتابوں اور رسالوں کے حوالے بھی دے ہیں۔

___ہر خط کے ساتھ سن یا تاریخ و ماہ لکھنے کی پابندی کی گئی ہے اس کے لیے مولانا نے متعدد کتابوں' رسالوں اور یادداشتوں کی چھان بین کی ہے۔

1- اردوئے معلیٰ مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی ص 30-

___مولانا نے اردو فارسی خطوط بار بار پڑھے اور انتہائی سوچ بچار سے کام لیا اور تاریخ کی صحت معلوم کرنے کے لیے انتہائی احتیاط برتی اور کہیں کہیں اختصار کے ساتھ وجوہ بھی لکھے ہیں۔

___مختصر حواشی لکھ کر تفصیل طلب اشاروں اور شبہات کو دور کیا ہے۔

___ہر مکتوب الیہ کے مختصر سوانح بھی ہر ایک کے نام کے ساتھ لکھے ہیں۔بعض نادر خطوں کے عکس بھی شامل کیے ہیں جو مولانا نے بڑی کاوش سے مختلف شخصیات سے حاصل کیے یا خود فراہم کیے۔ آخر میں کتابیات میں 75 اندراجات ہیں جن سے وسعت ماخذ تحقیق کا اندازہ ہوتا ہے ابیات اسما و اعلام اماکن و مقامات' کتب و مجلات' متفرقات کے عنوانات کے تحت پانچ اشاریے دیے ہیں جو الف بائی ترتیب کے مطابق ہیں کچھ نکات کی مزید وضاحت توضیحات کے تحت آخر کتاب میں اور اس کے بعد تصحیحات اغلاط کتابت کو رفع کرنے کے لئے شامل کتاب ہیں۔

مولانا نے اس کام میں ترتیب و تحقیق کا بڑا اعلیٰ معیار پیش کیا ہے اور تصحیح و تقابل کا تحقیقی حق ادا کر دیا ہے۔ وہ اگر ایک نسل کی یادگار تھے تو دوسری نسل کے رہنما خدا ان پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔

جعفر مرتضیٰ

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل ___ ایک ہمہ جہت انسان

"مولانا مرتضیٰ حسین انتقال کر گئے" 23 اگست 1987ء کی یہ خبر ایک شخص یا شخصیت کی خبر انتقال نہ تھی، نہ جانے کتنی انجمنیں تھیں جو مر گئیں کتنے ادارے تھے جو بند ہو گئے۔ مولانا اس درجہ ہمہ گیر اور ہمہ جہت انسان تھے کہ گم ان میں تھے آفاق اور وہ آفاق ان کی آنکھ بند ہونے سے ہماری آنکھوں کے سامنے سے اوجھل ہو گئے۔

Work first money second ان کا ماٹو نہ تھا اور نہ ہی انہوں نے کبھی ستائش کی تمنا کی۔ مولانا کام، کام اور بس کام کے قائل تھے۔ انہوں نے کبھی "عالم" ہونے کا دعویٰ نہیں کیا مگر علم شناس جانتے اور مانتے ہیں کہ وہ علم کے بحرِ زخار کے کنار آشنا شناور تھے۔ "علامہ" کہلوانا انہیں پسند نہ تھا البتہ وہ کہتے تھے کہ میں نے "آزاد اور شبلی" کو دیکھ کر "مولانا" اپنے نام کا جزو بنایا ہے۔ مگر وہ صرف شاعر، ادیب، نقاد اور مورخ نہ تھے۔ جہاں وہ قلم کی قلمرو کے کئی قلمدانوں کے مالک و مختار تھے وہاں منبر و محراب بھی ان کی قلمرو سے باہر نہ تھے۔ وہ بیک وقت تابع شریعت بھی تھے اور سالک طریقت بھی، رند و صوفی بھی تھے اور صاحب نظر فقیہ بھی۔ علم کی شناخت ان کا مقصد اس کی تشہیر ان کا مشن اور کتاب ان کی جنس تھی۔

انہوں نے ہمیشہ حصول علم کو فرض جانا اور خود کو طالب علم سمجھا لیکن عطاء علم ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ جس کو پڑھایا اس کو دوست بنا لیا۔ کبھی خود کو استاد نہ جتایا نہ اس کو شاگرد بتایا۔ البتہ جس سے کچھ سیکھا اس کو ہمیشہ بطور استاد تعارف کرایا۔ مرحوم ضیا الحسن موسوی رحمتہ اللہ علیہ مولانا کے ہم سن، دوست اور بچپن کے ساتھی تھے۔ جناب موسوی مصر گئے تو وہاں سے وہاں کا لب و لہجہ سیکھ کر آئے۔ مولانا نے وعدہ لیا کہ میں روزانہ آپ کے گھر آؤں گا اور اس ملاقات میں عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں بات نہ ہو گی۔ دونوں روزانہ ملتے، مختلف موضوع زیر بحث آتے مگر گفتگو عربی میں ہوتی۔ اس بول چال کو مولانا نے ہمیشہ درس و تدریس کا نام دیا اور جب بھی موسوی صاحب کا ذکر آیا یہی بتایا کہ وہ میرے استاد ہیں۔ حالانکہ مرحوم فرماتے تھے "مولانا آپ شرمندہ کرتے ہیں۔ یہ تو میں ہی جانتا ہوں کہ اس زمانے میں بھی میں نے آپ سے کیا کچھ سیکھا مگر ہمت نہیں پڑتی کہ آپ کی شاگردی کا دعویٰ کروں"۔

مولانا سید طیب آغا صاحب الجزائری مدظلہ، مولانا مرحوم کے ایک ہم درس ہیں ان کا سلسلہ روایت سلسلہ اب

وجد ہے۔ مولانا مرحوم نجف تشریف لے گئے تو قیام کے لئے آپ ہی کا شریعت کدہ منتخب فرمایا۔ اسی قیام کے دوران ایک دن درخواست کی "مولانا! آپ سے مجھے سند روایت چاہئے ہے" آغا صاحب مدظلہ حیران رہ گئے "مولانا! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں میں اور آپ کو اجازہ دوں" مولانا مرحوم نے آغا صاحب قبلہ کو ان کے سلسلہ روایت کی یہ خصوصیت یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ میں سند روایت لینے کے سلسلے میں محتاط ہوں آج تک میں نے کسی سے سند روایت کی درخواست نہیں کی اس سفر میں بھی شیوخ نے مجھ پر نظر کرم فرمائی اور میری عزت افزائی فرماتے ہوئے اجازہ مرحمت فرمانے کے ارادے کا اظہار فرمایا مگر میں نے موضوع بدل دیا اس کے باوجود میری خواہش ہے کہ آپ مجھے اجازت روایت دیں ___ مولانا مرحوم جب بھی اپنی اسناد و روایت کا ذکر فرماتے ہیں اس سند روایت کا ذکر خصوصیت سے کرتے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ ہم درس و ہم عصر سے علمی چشمک کی عام روش کے برخلاف مولانا مرحوم نے کبھی یہ خیال نہ فرمایا کہ یہ بات خود ان کے رتبے میں کمی کا باعث بنے یا نہ بنے کم از کم دوسرے کی بجا یا بے جا بلندی رتبہ کی دلیل ضرور ہو جائے گی۔

انہیں بلندی پر ایک اور منزل بنانے کی للک تھی۔ جہاں انہیں اس بات کا کامل ادراک حاصل تھا کہ

ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں

وہاں وہ اس سبق کے ماہر استاد بھی تھے۔ بہت سے لوگوں کے علاوہ میں خود اس بات کا گواہ ہوں کہ بڑے سے بڑا کوئی ادیب، خطیب، نقاد، مصور، مورخ، شاعر، فلسفی، محقق، مفسر، محدث، فقیہ، قانون دان، زبان دان یا علم و فن کی کسی شاخ کا کوئی امام جب بھی مولانا سے ملا تو ملاقات سے پہلے اسے اپنے علم و فن پر کتنا ہی ناز کیوں نہ ہو جب موضوع سمٹا، گفتگو ختم ہوئی اور مجلس برخاست ہوئی تو یہ احساس لیکر گیا کہ اس کا غرور بے جا اور دعویٰ بے معنی تھا۔

یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے کہ کتابوں کی کان میں جاکر وہ خود کتاب ہو گئے تھے۔ انہوں نے پانچویں جماعت سے لکھنا شروع کیا فرماتے تھے کہ مجھے اس وقت بھی یہ شعور تھا کہ نوٹس لکھنے اور کتاب لکھنے میں کیا فرق ہے (بقول خود مولانا مرحوم) "اس زمانے کی لکھی بہت سی کتابیں تلامذہ نے ضائع کر دیں" ___ کچھ باقی ہیں جو مولانا کے اس شعور کا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں) سن، تعلیم اور شعور میں اضافے کے ساتھ ساتھ مطالعہ وسیع اور قلم پختہ ہوتا گیا۔ پھر تو اکثر ایسا ہوا کہ وہ بستہ چھوڑ کر فرش پر اس لئے سوئے کہ بستر پر کتابوں نے ان کے لئے جگہ نہ چھوڑی اور جب فرش چھوڑ کر کرسی پر اس لئے جانا چاہا کہ کتابوں کے انبار در انبار نے فرش کو پر کر دیا ہے تو وہاں بھی اپنی جگہ کتابوں ہی کو دیکھ کر کمرہ تبدیل کر لیا۔ ایک کمرہ پھر دوسرا کمرہ پھر تیسرا کمرہ ___ یہاں تک کہ ہم لوگوں نے ان کے ڈانٹنے کے باوجود پہلے کمرے کی پھیلی ہوئی کتابیں الماریوں میں رکھ دیں اور وہ صحن سے کتابیں اٹھا کر اسی کمرے میں چلے گئے اور میزوں کرسیوں اور فرش پر کتابیں پھر سے پھیلنے لگیں۔ وہ ایک ہی وقت میں مختلف النوع موضوعات پر کام کرتے تھے۔ اگر میز پر ادب ہوتا تو کرسی اور صوفوں پر تفسیر اور فرش پر تاریخ، ایک جگہ کتاب لکھ رہے ہوتے تو دوسری جگہ مضمون اور

تیسری جگہ تقریظ ہمہ وقت مصروفیت کا یہ عالم کہ وقت آخر تفسیر (تفسیر مرتضوی) اور حدیث (المقتبس) کے علاوہ تین اور کتابیں ان کے زیرِ قلم تھیں۔ مضامین، خطوط اور ان کے جوابات ان پر مستزاد۔ کتاب کی شناخت کا یہ عالم تھا کہ پشت کتاب دیکھ کر اس کا نام اس کے مصنف کا نام، موضوع کتاب اور کتاب کی عمر بتا دیتے تھے۔ وہ جہاں تشریف لے جاتے لائبریری میں ضرور تشریف لے جاتے اور کتاب دار سے "ایک کتاب" کا سوال کرتے تھے۔ اگر کوئی نایاب کتاب مل جاتی تھی تو اسے لے کر بیٹھ جاتے تھے۔ کتاب دار تنخواہ دار ہو یا خود مالک کتاب اس کو کتاب کا ایسا تعارف کراتے کہ اسے یہ یقین ہو جاتا کہ یہ کتاب دراصل مولانا ہی کی ملکیت ہے۔ کتاب کی تاریخ، تعریف، اس کے مصنف کی سوانح، اس کے کاتب کا تعارف کاغذ کی جائے پیدائش اور ساخت، جلد بندی کے ہنر و نقائص، اس کی حفاظت کے آداب، اس کے متلاشی حضرات کے نام اور پتے، کتاب کا استعمال، لہجے میں اس قدر شگفتگی آنکھوں میں اتنی چمک اور لبوں پر ایسی مسکراہٹ ہوتی تھی کہ پورا ماحول سحرزدہ محسوس ہوتا، در و دیوار ہمہ تن گوش لگتے یوں لگتا کہ کتاب خود کہہ رہی ہو کہ میں مرچکی تھی دوبارہ زندہ ہو رہی ہوں۔

جس سے ملتے تھے اس کی پسند اور دلچسپی کے مطابق موضوع چھیڑتے تھے۔ خود اس کی بات کرتے تھے اگر صاحب علم و فن ہے تو علم و فن کی بات خود اس کے فن پاروں کی بات، اگر صاحب حیثیت ہے تو اس کی اپنی اہمیت اس کی حیثیت، کسی نامور خاندان کا چشم و چراغ ہے تو اس کے خاندان اس کے آباء و اجداد کی بات اگر طبقہ عوام سے تعلق رکھتا ہے تو اس کی زمین کی بات ___ اس کے گاؤں، اس کے شہر، اس کے قصبے، ضلع یا صوبے کی بات، وہاں کا موسم، وہاں کی زمین، وہاں کے دریا اور نہریں وہاں کے آدمی وہاں کا ماضی اور وہیں کا حال، سامع یہ سوچنے، لگتا کہ کہیں یہ شخص میرے ہی خاندان یا میرے ہی علاقے کا تو نہیں مگر ان باتوں میں یہ لحاظ کہ حصول علم کی تشویق ہو، خدمت مذہب و ادب کا جذبہ ابھرے۔ خدا آشنا ہو جائے۔

مولانا خاک نشین تھے اور خاک نشینی انہیں پسند تھی۔ وہ گوشہ نشین تھے اور شہرت و ناموری ان کو ناپسند تھی لیکن یہ خاک نشینی یوں نہ تھی کہ سیادت و سرداری ان کے بس کی بات نہ تھی اور نہ یہ گوشہ نشینی اس لئے تھی کہ بزم آرائی نہ آتی تھی۔ ان کے والد کو شعر و ادب سے رغبت تھی اور گھر پر شاعروں اور ادیبوں کی روزانہ کی بیٹھک کے علاوہ گاہے بگاہے مشاعرے بھی ہوا کرتے تھے اور یہ ان کے گھر کی ایک روایت تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ زمانہ طالب علمی ہی میں مولانا نے اپنی لائبریری کا باقاعدہ افتتاح اور اور پھر سال بہ سال اس کے یوم تاسیس کا انتظام و انصرام کیا۔ (مولانا کو کتابوں سے اس قدر دلچسپی تھی کہ اپنا جیب خرچ اور اس کے علاوہ امتحانات میں اول آنے پر انعامات اور وظائف جو کچھ بھی ملتا کتابوں کی خریداری پر صرف کر دیتے۔ نخاس پرانی کتابوں کی مارکیٹ تھی وہاں سے مولانا کو بہت سے جواہر نایاب ملے جن میں سے کچھ تو ساتھ آگئے لیکن زیادہ تر وقت ہجرت ساتھ نہ آسکے اور وہیں رہ گئے) مولانا نے ان تقریبات کے ذریعے لکھنے پڑھنے کے شوق کو اپنے ساتھیوں میں مقبول بنایا ان مواقع پر اردو عربی اور فارسی تینوں

زبانوں میں ایک ایک مقالہ پڑھا جاتا ایک مقالہ خود پڑھتے دوسرے دو اور ساتھی۔ بزرگ مصنفین اور محققین، اساتذہ اور ہم جماعتوں کو مدعو کرتے اور شرکا سے بھی یہ فرمائش کرتے کہ موضوع پر تیار ہو کر آئیں ہم مقالے پڑھیں گے آپ تنقید اور سوالات کریں۔ ہونہار ساتھی مقالے لکھنے کے لئے سال بھر تیاری کرتے۔ کتابیں پڑھتے (1)، رسالے تلاش کرتے، شخصیات سے ملاقاتیں کرتے، ساتھی ساتھ دیتے، بزرگ اور اساتذہ ہمت بڑھاتے تھے، خود تو پڑھنے کا شوق تھا ہی اب پڑھنے اور لکھنے والوں کی ایک ٹیم تیار ہو گئی۔

اس سلسلے میں ایک لطیفہ بھی یادگار ہے۔ جناب آغا نواب عالم صاحب بارہوی (2) کے نکاح کے موقعے پر مولانا نے سہرا کہا۔ نکاح ختم ہوا تو سہرا پڑھا، داد وصول کی، اپنی نشست پر آکر بیٹھے۔ اتفاقاً" اس محفل میں اس مجلس کے ایک رکن بھی شریک تھے وہ مولانا کے پاس تشریف لائے گلے لگا لیا "مولانا! بہت عمدہ سہرا کہا ___ مگر آپ یہ بھول گئے کہ آخری اجلاس میں طے یہ ہوا تھا کہ آئندہ آپ کا مضمون عربی میں ہو گا"۔ مولانا ہنس دیئے فرمایا "حضور! آپ کو معلوم ہی ہے کہ اس جلسے کی دو نشستیں ہیں اس نشست میں مضمون کا تعارف کرایا ہے اصل مضمون، انشااللہ، دوسری نشست میں پیش کروں گا"۔ دونوں ہنس دیئے موضوع بدل گیا۔ رخصتی کے موقعہ پر سہرا عربی زبان میں کہا۔ موصوف بہت خوش ہوئے، بہت داد دی، فرمایا میں نے تو ازراہ مزاح بات کی تھی ماضی کی ایک اچھی یاد تھی جو آپ کو بولتا دیکھ کر یاد آگئی تھی آپ نے میری خاطر زحمت کی اس زبان و بیان کو یہاں کون سمجھا ہو گا۔

مولانا کی زندگی کے اس پہلو کی طرف نشان دہی اس بات کی وضاحت کے لئے تھی کہ وہ گوشہ نشین ان معنوں میں نہ تھے کہ تنہائی پسند تھے۔ وہ بزم آرا تھے، انجمن ساز تھے مگر یہ سب ادارے تعمیر و ترقی کے لئے ہوتے تھے۔ تعمیر کی طرف متوجہ اور ترقی کے لئے کوشاں رہنے کی یہ صفت ان کی ذات کا جزو تھی۔ انہوں نے کام اور نام کے درمیان ایک واضح خط کھینچ لیا تھا۔ انہوں نے ہر تحریک، انجمن اور تنظیم کی سرپرستی کی مگر اس وقت تک جب تک کسی نے تعمیر و ترقی کو اپنا مطمع نظر رکھا۔ جہاں نام و نمود کا پیوند لگا وہاں سے دوسروں کی دوڑ تو شروع ہو گئی لیکن آپ نے ہاتھ اٹھا لیا۔ فرماتے تھے ہم طالب علموں کو تصویریں کھنچوانے، نعرے لگوانے، بیان دینے اور انٹرویو چھپوانے کا وقت اور اکھاڑ پچھاڑ کرنے کی فرصت کہاں۔ یہ "لیڈروں" کا کام ہے۔

لاہور کی انجمنوں کا تو ہمیں اس لئے علم ہے کہ سامنے کی بات ہے باہر کی بات اس لئے نہیں معلوم کہ وہ اپنی خدمات کا تذکرہ نہیں کرتے تھے۔ لاہور کی کوئی ایسی انجمن ہو گی جو اپنی تاسیس خاص طور پر دستور عمل کی تدوین کے سلسلے میں مولانا کی مرہون منت نہ ہو۔ اس کے لئے تنظیم یا انجمن کے نظریات و خیالات کا مولانا سے متفق ہونا ضروری نہیں تھا۔ اگر وہ لوگ اسلام یا وطن کے دشمن نہیں تو مولانا حاضر ہیں فرماتے تھے مقصد سب کا ایک ہی ہوتا ہے سفر کے ذرائع اور انداز مختلف ہوتے ہیں۔ مولانا کا یہ ساتھ اور سرپرستی اس وقت تک رہتی تھی جب تک اغراض و مقاصد کو اولیت حاصل رہتی اور انجمنوں کی زندگی کا یہ عرصہ مختصر ہی ہوتا ہے اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب ان کا مستقبل غیر

یقینی، رکنیت محدود، اور شہرت ناپید ہوتی ہے۔ مولانا کی اس عادت اور قومیات میں ان کے اس رویے پر حیرت اس وقت ہوتی جب مولانا ان افراد کے ساتھ مل کر کام کرتے یا ان انجمنوں کی دستگیری فرماتے جو ماضی میں ان کے کام یا نظریات کے خلاف کام کر چکی ہوتی تھیں۔ ایسے ہی مواقع پر مولانا کی ذات پر قوم کے اعتماد کا اندازہ ہوتا کہ مخالف بھی ان کے صائب مشوروں کی افادیت اور ان کی معاملہ فہمی پر کس قدر یقین کرتے ہیں۔ اور مولانا کی ان کے کام میں دلچسپی اور لگن بھی دیدنی ہوتی۔ فرماتے تھے، جیو اور جینے دو کا یہ مطلب نہیں کہ خود اپنے یا اپنوں کے لئے جیو اور دوسروں کو جینے دو سے مراد یہ نہیں کہ ان سے لاتعلق ہو جاؤ۔ جیو سے مراد ہے دوسروں کے لئے بھی جیو اور جینے سے مراد ہے کہ دوسروں کی جینے میں ہر ممکن مدد کرو کہ بہتر زندگی بسر کر سکیں اور بہترین راہ اختیار کر سکیں۔

ابھی چند ہی برس کی بات ہے کہ مولانا احسان الٰہی ظہیر (مرحوم) کا ٹیلی فون آیا فرمایا میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں اور اس کے لئے کچھ حوالے درکار ہیں جو نایاب ہیں۔ یہ تو مجھے بہت پہلے اطلاع مل چکی تھی کہ وہ کتابیں آپ کے کتاب خانے میں موجود ہیں مگر میں نے اب تک آپ سے اس لئے نہیں مانگیں کہ زیر قلم کتاب آپ کے عقائد کی رد میں ہے۔ اب میں تھک چکا ہوں جہاں تک میری رسائی تھی میں نے تلاش کیں وہ مجھے نہیں مل سکیں البتہ کتاب خوانوں، کتاب داروں اور کتاب نویسوں سب ہی کو آپ کی تعریف میں طب اللسان پایا سب نے یہی بتایا کہ ''تم ان کی خدمت میں حاضری دو، جتنا مانگو گے اس سے زیادہ ہی ملے گا'' مولانا نے فرمایا : یہ تو میرے بارے میں دوستوں کا حسن ظن ہے خوشی جب ہو گی جب دوستوں کی اس غلط فہمی کی بدولت آپ کی یہ مشکل آسان ہو جائے اور مطلوبہ کتابیں میرے پاس نکل آئیں۔ آپ کے پاس وقت ہو اور زحمت نہ ہو تو تشریف لے آیئے ملاقات بھی ہو جائے گی ان کے علاوہ شاید آپ کو کچھ اور بھی مل جائے۔ اگر مصروف ہیں تو مطلوبہ چیزیں لکھا دیجئے اگر ہوئیں تو ابھی نکال کر کسی بچے کے ساتھ بھیج دوں گا، ___ مرحوم نے فرمایا میں حاضر ہو رہا ہوں آدھے گھنٹے کے بعد وہ گھر پر تھے اپنی تصنیفات کا سیٹ مولانا کو ہدیہ کیا مولانا نے مطلوبہ کتابیں عاریتا'' اور اپنی کچھ تصنیفات تحفتا'' مرحوم کو عنایت فرمائیں۔ کچھ دنوں بعد عاریتا'' لی ہوئی کتابیں واپس دینے تشریف لائے تو فرمایا عظمت و بلندی کردار کے قصے کتابوں میں پڑھتا تھا اب ان میں سے ایک کا چشم دید گواہ ہوں۔ لیکن حیران ہوں یہ آپ نے کیوں کیا؟ آپ کی مجھ سے پہلے سے کوئی ملاقات نہ تھی نہ ہی کسی قسم کے روابط اور اس کام میں بدنامی کے علاوہ آپ کو کچھ ملنے کی امید بھی نہیں۔ مولانا، مسکرا دیئے فرمایا میں طالب علم ہوں ___ جوئیندہ یا بندہ میرا ایمان بھی ہے اور تجربہ بھی یہ کتابیں بہت کم یاب ہیں مگر نایاب نہیں۔ فلاں فلاں اشخاص اور فلاں فلاں لائبریری میں ان کے نسخے موجود ہیں اگر یہ میرے ہاں سے نہ ملتیں تو آپ کا وقت اور قوت تو ضرور ضائع ہوتی مگر بالاخر مل ہی جاتیں اس کے علاوہ آپ کیا لکھ رہے ہیں اور کیوں آپ کو بھی معلوم ہے اور ہمیں بھی۔ ان حوالوں کا تعلق، حیثیت، سیاق و سباق اور رد نہ آپ سے پوشیدہ ہے نہ ہم سے تو پھر اگر میری وجہ ہی سے صحیح آپ کے قلم میں زور اور بیان میں حسن پیدا ہو جائے تو کیا مضائقہ۔ مرحوم نے وضاحت فرمائی میں تو مزدور ہوں میرا مقصد فرقہ

واریت اور مذہبی منافرت پھیلانا نہیں اس لئے عربی میں لکھتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد ایک آدھ مرتبہ سرراہ ملاقات ہوئی فرماتے تھے مولانا! اس ملاقات کے بعد کسی کی رد میں جب بھی قلم اٹھایا اسے کمزور پایا"۔ اس سے پہلے کہ یہ ملاقات رنگ لاتی وعدہ پورا ہو گیا مرحوم دھماکے میں زخمی ہوئے اور زخموں سے جانبر نہ ہو سکے ان دنوں مولانا نے خواہش اور کوشش تو بہت کی کہ عیادت کو جائیں مگر کمزوری اور بیماری نے اجازت نہیں دی۔

فراخ دلی، بلند حوصلگی اور اعلیٰ اخلاق مولانا کی شخصیت کا حصہ تھے۔ دشمن کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کرنا انہوں نے ورثے میں پایا تھا اور اس کا ذکر انہوں نے لبنان (بیروت) کی ایک محفل میں کیا۔ مولانا جب لبنان تشریف لے گئے تو جناب حسن الامین نے آپ کے اعزاز میں ایک دعوت کی، جس میں معززین شہر، ادیب، شاعر اور علماء مدعو تھے۔ مولانا کا قیام جناب حسن الامین کے یہاں ہی تھا مگر پروگرام کے مطابق آپ کو ہال میں ذرا دیر میں آنا تھا۔ مقررہ وقت پر سب جمع ہو گئے پروگرام کے مطابق مولانا تشریف لائے تو سب کھڑے ہو گئے ایک ایک سے تعارف ہوا مصافحہ ہوا معانقہ ہوا کہ ایک صاحب نے مصافحہ کرتے ہوئے اپنا نام بتایا اور تعارف میں کہا میں تمہارے دادا کا قاتل ہوں (اس شخص کے آباؤ اجداد کربلا میں قتل امام مظلوم میں شریک تھے) مولانا نے اس شخص کو گلے سے لگا لیا فرمایا تم ہمارے مہمان ہو۔ بیٹھو اور ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ کہ یہ ہمارے دادا کی سنت اور آباؤ اجداد کی رسم ہے۔ ہم اپنے قاتلوں کو دودھ سے سیراب کرتے ہیں۔ شرکاء محفل حیران رہ گئے کہ کہنے والے نے کیا کہا اور سننے والے نے کیا جواب دیا۔ اپنے قریب بٹھایا، خود کھانا نکال کر اسے دیا۔ مجمع خاموش تھا ایک عیسائی شاعر خاموش نہ رہ سکا۔ بولا: "سید! میں تمہارے رسول پر ایمان نہ رکھتا مگر ان کے اس معجزے کا قائل ہوں کہ ان کے اخلاق و کردار نے عربوں کو آپس میں ملا دیا۔ یہ عرب نہ ان سے پہلے ایک تھے نہ ان کے بعد آج تک کبھی ایک ہوئے۔

اعلیٰ کردار اور عمدہ اخلاق کا یہ نمونہ 23 اگست کی صبح ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ لیکن ایسے اثرات چھوڑ گیا اپنے پیچھے اپنے ایسے آثار چھوڑ گیا کہ ایک زمانہ ہے جو کہہ رہا ہے۔

حواشی

1- اپنی لائبریری کے یوم تاسیس کے سلسلے میں عربی زبان میں مقالہ لکھنا تھا موضوع تھا "مسلمانوں کے کتب خانے" مولانا نے اس کی تیاری کے سلسلے میں ایک عربی انسائیکلوپیڈیا نکالی موضوع نکالا تو اس میں لکھا تھا کہ یہ مضمون شبلی ہندی کے مضمون کا ترجمہ ہے۔ فرماتے تھے مجھے جھٹکا لگا لکھتا تو میں پہلے بھی تھا مگر اس کے بعد میں نے انسائیکلوپیڈیا کے لئے لکھنا شروع کر دیا یعنی میرا مطمع نظر یہ ہو گیا کہ ایسا لکھوں جو محققین کے لئے سند ہو"۔

2- مولانا کے چھوٹے برادر نسبتی۔

علامہ سید مرتضیٰ حسین

مرد حق و صداقت

مولانا سلیمان طاہر

ظاہری طور پر تو انسان سب ایک جیسے ہی نظر آتے ہیں۔ اس دنیائے رنگ و بو میں جب سے انسان آباد ہوا ہے سب کے ساتھ ایک ہی فطری قانون لاحق ہے آمدرفت کا سلسلہ اور بود و باش کا طریقہ ایک ہی ہے۔ قوانین فطرت کی اثر پذیری سب پر یکساں ہے۔ مگر انسان' انسان میں فرق' باطنی فرق' مدارج روحانی کا فرق' ذہنی ارتقاء کا فرق' قرب الٰہی کا فرق سیرالی اللہ کے درجات میں فرق اور بارگاہ ایزدی میں مقام محبوبیت کی منزلوں کا فرق موجود ہے اور امر لازمی ہے کہ انسان اس فرق کے ساتھ موجود رہیں۔

کچھ انسان اپنی ذات کیلئے زندہ رہتے ہیں کچھ انسان دوسروں کیلئے تگ و دو کرکے زندگی گذارتے ہیں مگر ایسے بھی ہوتے ہیں جو صرف الٰہی مقاصد کی تکمیل کیلئے زندہ رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کو خلاصہ کائنات کہا جاسکتا ہے۔ یہ لوگ ہیں جو عالی مقاصد کیلئے پیدا ہوتے ہیں اور ان مقاصد کی خاطر جدو جہد کرکے اپنی شہادت زندگی میں ثبت کر دیتے ہیں اور آنے والی نسل کے لیے ایک نقش حیات چھوڑ جاتے ہیں۔ غالبا ان ہی نفوس قدسیہ کے لیے کہا گیا ہے کہ رجال" لاتلھیھم تجارۃ ولابیعٌ عن ذکراللہ (گردان حق کو خدائی مقاصد کی راہ میں دنیوی معاملات حارج نہیں ہوتے) امت مسلمہ میں کوئی دور ایسا نہیں آیا کہ مردان حق اس کے درمیان موجود نہ رہے ہوں سنت اللہ یہی رہی ہے کہ سلیم فطرت اور صالح بندے ہر وقت پیدا ہوتے رہے اپنا فریضہ ادا کرتے رہے ۔ امت کو صحیح راستہ دکھاتے رہے۔

آج کل کے دور کا یہ المیہ ہے کہ اس وقت امت مسلمہ ایک امت واحدہ کی شکل میں نہیں ہے۔ اس کے کئی گروہ' فرقے' ٹولے' پارٹیاں اور جماعتیں موجود ہیں۔ بد قسمتی سے جو لوگ ان گروہوں میں پیدا ہوتے ہیں اور گروہی سوچ و فکر رکھتے ہیں وہ محدود ہو کر رہ جاتے ہیں اور بالآخر وہ امت کے نہیں ہوتے اور نہ ہی امت کے مفاد میں ان کا عمل مفید رہتا ہے۔

مگر خوش قسمتی کا یہ بھی پہلو ہے کہ کچھ باکمال افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو مخصوص فکری ماحول میں پیدا ہو کر وسیع فکری دائرہ میں قدم رکھتے ہیں انکی سوچ گروہی نہیں ہوتی بلکہ امت کے مجموعی مفاد کیلئے ہوتی ہے ان کا عمل مخصوص فرقہ کیلئے نہیں ہوتا بلکہ ملت کے کاز کیلئے ہوتا ہے۔

عمر مستعار کے گذرے ہوتے سالوں میں کئی ایک ایسی شخصیات اور رجال باکمال سے تعلق رہا ہے بعض سے

قریبی روابط ہوئے بعض سے ملاقاتیں رہیں بعض کے حالات و کوائف معلوم ہوئے یہ وہ عظیم افراد ہیں جن کے ساتھ میری محبت، تعلق، رابطہ، ملاقات اور وابستگی میری زندگی کا سرمایہ میری زندگی کا حاصل کہا جاسکتا ہے ان عظیم افراد میں سے ایک شخصیت حجتہ الاسلام مولانا سید مرتضیٰ حسین مرحوم و مغفور کی تھی۔ یہ شخصیت آج ہم میں موجود نہیں ہے مگر اس عظیم شخصیت کی عظیم باتیں، عظیم کردار، عظیم فکر و عمل آج بھی میرے ذہن پر نقش ہے۔

مرحوم کے ساتھ میری کئی ملاقاتیں جو تہران، کراچی اور لاہور میں ہوئیں ان میں میں نے محسوس کیا کہ اس گوشت و پوست کے انسان میں جو حساس دل موجود ہے وہ امت مسلمہ کے اتحاد اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے تڑپ رہا ہے۔ یہ عظیم انسان فرقوں اور گروہوں کی سوچ سے ماوری ہو کر امت محمدؐ کے مفاد میں سوچتا ہے۔

ہم نے ایک مرتبہ ایک لائحہ عمل پر بھی تبادلہ خیال کیا کہ کس طرح پاکستان میں مختلف مکاتیب فکر کے علماء کو یکجا کر کے انکو اسلامی انقلاب کی جدوجہد کیلئے تیار کیا جائے انہوں نے اس سلسلہ میں بڑی مفید تجاویز دیں اور خود بھی آمادہ ہوئے کہ اس کام کو عملاً" آگے بڑھایا جائے مرحوم کی شخصیت، علمی، ادبی، دینی اور مذہبی تو تھی ہی مگر انکی شخصیت میں اخلاق حسنہ کا جو جوہر موجود تھا اور اس کا وہ مظاہرہ بھی ہر وقت کرتے تھے یہی وہ اصل خاصیت تھی جس نے ان کی شخصیت سے متاثر کیا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ ایک عظیم انسان ہیں

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مرحوم کی یاد میں

سید قنبر علی شاہ

قیام پاکستان کے بعد پچاس کے اوائل عشرہ میں جناب الحاج سید مرتضیٰ حسین نقوی صدرالا فاضل لکھنؤ سے لاہور تشریف لائے اور مغلپورہ میں مقیم ہوئے۔ جلد ہی اہالیان لاہور میں مقبول ہوگئے۔ آپ اتحادبین المسلمین کے بڑے داعی تھے۔ انکے اخلاق و شفقت کو دیکھ کر کئی بار خیال آیا کہ معصومینؑ کی تعلیمات کا پرچار کرنے والا کے میل ملاپ کا یہ عالم ہے تو معصومینؑ کا کیا ہو گا۔ میرے والد علیگ تھے "مخزن" میں انکے مضامین چھپتے تھے۔ اباجی کے توسل سے قبلہ صاحب کی نعلین بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ ہماری رہائش صدر لاہور میں تھی کئی برس میرا دستور رہا کہ فجر کی نماز کے بعد قبلہ صاحب کے آستانے پر حاضری دیتا۔ چائے کی چلاس اماں کی لذیز چائے پوری کرتی۔ انکی معلومات افزا محبت و برکت چائے کی لذت میں اضافہ کرتی انکے تقدس و تقویٰ کو بہت قریب سے دیکھا۔ انکی گھڑکیاں کھائیں۔ انکی جوتیاں سیدھی کیں ان کے حقے کی چیلمں بھریں۔ ان سے دعائیں لیں۔ ان کی شفقت سے سرفراز ہوا۔ انکا لکھنوٰی مزاج تھا وہ لوگوں کے ہاں جانے سے احتراز کرتے تھے انکا یہ احسان بھی مجھ پر ہے کہ وہ مرے ہاں تشریف لاتے۔ دیکھنے والے حیران ہوتے اباجی نے کئی مرتبہ کہا ــــــ تم خوش نصیب ہو کہ مولانا جیسا عالم بے بدل اور باعمل کی شفقت نصیب ہے انکی عظمت کے دو واقعات پیش کرتا ہوں

پہلا واقعہ پچاس کی دہائی کے وسط کا ہے امامیہ ھال صدر لاہور چھاونی میں صبح کو مجلس عزا سے قبلہ صاحب کو خطاب کرنا تھا۔ حسب روایت وہ مجلس میں آگئے اختتام مجلس پر فرمایا ــــــ آج چائے نہیں ہوگی مجھے گھر جلد جانا ہے بچے کی میت گھر میں پڑی ہے اسکے دفن و کفن کا انتظام کرنا ہے۔ حاضرین پر سناٹا چھاگیا۔ عالم حیرت میں کسی کے منہ سے کوئی بات نہ نکلی - قبلہ صاحب خدا حافظ کہہ کر چلے گئے -

دوسرا واقعہ سن ساٹھ کی دہائی کے اوائل کا ہے ان دنوں قبلہ صاحب شدید مالی بحران سے دو چار تھے صبح سویرے دق الباب ہوا۔ میں نے اٹھکر دروازہ کھولا ایک وجیہ شخص ہاتھ میں بیگ لئے داخل ہوا۔ اپنا تعارف کرایا اور کہنے لگا۔ کراچی سے آرہاہوں علیحدگی میں ضروری بات کرنی ہے قبلہ صاحب نے فرمایا بسم اللہ کیجئے یہ میرا برخور دار ہے آنیوالا بولا ــــــ سیٹھ صاحب نے سلام عرض کیا ہے اور دو لاکھ روپے (بیگ کی طرف اشارہ کرکے) خدمت میں پیش کئے ہیں کہ آپ دو جملے اپنے پیڈ پر لکھ دیجئے۔ اتنی ہی رقم آئندہ ہفتہ پہنچ جائے گی۔ قبلہ صاحب نے حقہ کی نے چھوڑ کر بمشکل نصف منٹ توقف کیا پھر گویا ہوئے یہ تحفہ آپ واپس لے جائیں شریعت محمدی مانع آتی ہے لہٰذا مجبور ہوں آنیوالے کا اصرار قبلہ صاحب کے انکار کو اقرار میں نہ بدل سکا وہ بے نیل و مرام چلاگیا مجھے مالی بحران کا نجوبی علم

تھا حیرت سے سکتے میں آگیا۔ اسکے جانے کے بعد مجھے ہدایت کی یہ بات آگے نہ جائے انکے جنت مکانی ہونے کے بعد یہ بات منہ سے نکالی۔

شہرت سے دور نمود و نمائش سے نفور رہا انتہائی منکسر مزاج مگر دین کے معاملہ میں اٹل تھے ادب کے گہوارے لکھنؤ اور اعلی تعلیم کے ناطے سے آپکی عام بول چال میں ایک عجیب جاشنی نکھار اور کشش تھی بارے چند شاگرد آپکے حضور حاضر تھے۔ آپ بیان سے کشت کو زعفران زار بنا رہے تھے میری طرف نگاہ اٹھی اور فرمایا ہرچند مجھے قنبر کی رفتار گفتار اور کردار پر پورا اعتبار ہے تاہم اگر کوئی ایسا موقعہ آیا تو انکی گواہی نہیں تسلیم کی جائیگی قریب سے سبطین بخاری (اب ایڈوکیٹ) بولے قبلہ صاحب یہ قابل اعتبار ہے ہی نہیں آپ نے فرمایا کہ جو ہم نے کہا ہے وہ سمجھ گئے ہیں1968ء کا ذکر ہے رجب کا مہینہ آیا۔ قبلہ صاحب نے مولودؑ کعبہ کو نذرانہ عقیدت پیش کیا ہم نے دل سے دعا کی اور داڑھی رکھ لی الحمد اللہ آج تک قائم ہے۔

آپکا آستانہ ادب کا گنجینہ تھا وہاں شیعہ علوم کا خزینہ بھی تھا ان کا کہنا تھا کہ دین اور سیاست ادب اور مذہب میں جدائی کا تصور تو دور کی بات ہے یہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتے۔ ہمیشہ اچھا عالم اچھا ادیب اور سچا مومن ماہر سیاستدان ہوتا ہے اپنی ضرورت کی وجہ سے انکی مصروفیت بھی سوا تھی ایک دفعہ پنجاب یونیورسٹی ایم ۔ اے کے دو طالب علم آئے اور قبلہ صاحب سے یونیورسٹی میں کسی مجلس کی شمولیت کے لیے استدعا کی قبلہ صاحب نے معذوری کی ایک طالب علم کو قبلہ صاحب کے دین سے عشق کے بارے میں علم تھا وہ بولا سرکار موضوع سخن یہ ہوگا۔ " قولو لا الہ و تفلحو "قبلہ صاحب مسکرائے اور ڈائری میں اپنا فارغ دن دیکھ کر ان سے وعدہ کر لیا۔ میں نے علیحدگی میں ایک نوجوان سے پوچھا کہ بزم میں تو عورتیں بھی ہونگی جواب اثبات میں ملا۔ جب ایسا موقعہ ہوتا ہے تو قبلہ سامعین کی طرف پشت کر کے خطاب کرتے ہیں۔ اور سوالوں کے جواب بھی دیتے ہیں 1970ء میں میرا لندن جانا ہوگیا دس سال بعد وطن واپس آیا قدم بوسی کیلئے حاضر ہوا انہوں نے ایک دلچسپ واقعہ سنایا کہ 73_ 1972 میں حکومت وقت کو ہماری " تخریبی کاروائیوں کے بارے میں خطرہ محسوس ہوا۔ چنانچہ فوج کے دو اعلی افسر تین ٹرک مسلح جوان لیکر آگئے جوان تو لنک روڈ پر ایستادہ تھے۔ افسر چند سپاہی لیکر گھر آئے ہم نے انہیں اندر بلایا اور مدعا آمد معلوم کیا۔ وہ آئے اور چند لمحے بعد باہر چلے گئے تھوڑے توقف کے بعد باہر گیا اور انہیں ہمراہ لیکر بیٹھک میں آگیا۔ چاروں طرف گھوم کر کہا کہ یہ تمام کتابیں آپ نے پڑھی ہوئی ہیں؟ ہم تو ان کو دیکھ کر چکرا گئے قبلہ صاحب نے جواب دیا جی ہاں بلکہ اکثر میری تصنیف و تدوین ہیں ہمیں یقین ہوگیا کہ آپ جیسا عالم تخریبی کاروائیوں میں ملوث نہیں ہو سکتا۔ حکومت کو درست اطلاع نہیں ملی۔ آپ کے کمرے میں دروازے اور کھڑکیاں چھوڑ کر چھت تک اونچی الماریوں میں۔ کتابیں ہی کتابیں تھیں۔

ان کا فیض عام تحریر درس و تدوین انکے من پسند شعبے تھے وہ گھر پر تفسیر و حدیث فقہ منطق و فلسفہ صرف و نحو

اور تاریخ و ادب کا درس دیتے رہے فارسی فاضل کا تمام کورس اکیلے ہی پڑھاتے تھے وہ اخلاق جلالی و ناصری جیسی فلسفیانہ کتابوں اور ابوالفضل کے طویل خطوط کو دلچسپ بنا کر بیان کرتے نادار طلبا سے فیس نہ لیتے اور بہتوں کو مروت سے مفت پڑھاتے مجھے شدید بیماری کی وجہ سے تعلیم ترک کرنا پڑی پھر قبلہ صاحب کے حلقہ درس میں داخل ہوئے۔ کامیابی نمایاں ہوئی پھر قبلہ صاحب کے تعمیل ارشاد میں ایم - اے انگریزی کا امتحان دیا۔ امتحان سے قبل ایک جانکاہ حادثہ پیش آیا۔ توجہ مرکوز نہ کر سکا نتیجہ آیا تو جن مضامین میں لوگ اکثر فیل ہوتے ہیں میں ان میں پاس تھا۔ مضمون تنقید اور نثر' قبلہ صاحب نے فرمایا تمہاری ہر بات نرالی ہے۔

ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد آقائے خمینی نے انہیں ایران طلب کیا اور انہیں رسالہ توحید کی ادارت سونپی گئی۔ جو آج بھی کئی زبانوں میں چھپتا ہے اس میں آپ نے قرآن کی تفسیر شروع کی تھی جو چھ پاروں تک پہنچی تھی عمر نے وفا نہ کی وہ اپنے ابدی مسکن کو سدھارے ھائے۔

کہنے کو مشت پر کی اسیری تو ہے مگر　　　خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا

**

بچّوں کو گمراہی سے بچائیے :-

بچّوں کو دین کی تعلیم اگر ابتدا ہی سے دی جائے تو بڑے ہو کر وہ راسخ العقیدہ ہو سکتے ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہم اپنے بچّوں کو فروعات اور رسومات سے آشنا تو کرتے ہیں، مگر ان میں عقیدے کی پختگی اور اصولِ دین کی باتوں کو راسخ نہیں کرتے۔

اِس عہد میں ڈاکٹر ذاکر فاروقی کی تحریر کردہ دینیات کا مکمل سیٹ امامیہ مشن پاکستان کے پاس موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بچّوں کی نفسیات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے نہایت سادہ اور عام فہم الفاظ میں عقائدِ اسلام کی موٹی موٹی باتیں بڑے دلنشین انداز میں تحریر کی ہیں۔ اگر بچّوں کو ابتدا ہی میں ان کتابوں کا درس دے دیا جائے تو بڑے ہو کر بھی وہ عقائد سے روگردانی نہیں کر سکتے۔

☆ ۵ کتابوں کا ہدیہ صرف ۔/۵۰ روپے ہیں ☆

امامیہ مشن پاکستان کی

ہمیشہ سے یہ پالیسی رہی ہے کہ وہ ہر قسم کی عصبیت سے پاک لٹریچر شائع کرے۔ اسی طرح امامیہ مشن کا آرگن پیام عمل بھی اتحاد بین المسلمین کے نقیب کی حیثیت سے ہمیشہ کوشاں رہا کہ اس کے صفحات میں فرقہ واریت، صوبائی عصبیت اور مذہبی مناقشات کی تحریریں نہ آسکیں۔ پاکستان ہر چہار جانب سے بے اصول دشمنوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تمام اہلِ اسلام متحد ہو کر اور اپنے چھوٹے موٹے جھگڑے ترک کر کے مکّار اور عیار دشمن کا مقابلہ کریں اور اپنے اتحاد میں رخنہ نہ پڑنے دیں۔

ہمارا مربی

مولانا سید ہادی نقوی

انسان کا جوہر تربیت سے کھلتا ہے جس شخص کو تربیت کرنیوالا مل جائے اسکی قسمت سنور جاتی ہے یہ کار خانہ قدرت جس کا نام دنیا ہے اس میں رہتے ہوئے ترقی کا راز اسکے بعد آنیوالی زندگی آخرت کے درجات ان سب کا دارومداد تربیت پر ہے تربیت کی وجہ سے انسان مصلح ہمدرد بلکہ مسیحا بن جاتا ہے اور اس کے بغیر ڈاکو دہشت گرد بلکہ ابلیس وقت رہتا ہے چنانچہ افراد یا معاشروں کی فلاح و بہبود کا انحصار صحیح تربیت پر ہے اسی لئے اللہ تعالٰی نے انسان کی تربیت کے انتظام کے لئے ایک دو نہیں بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام کی پوری ٹیم اس مہم میں جھونک دی نبوت و رسالت کی معراج کے بعد ایک طرف مردوں کیلئے ایک نہیں بلکہ پورے بارہ معصوم قائدین علیہم السلام کو مقرر کیا جن میں سے پہلے امیرالمومنین حضرت علی مرتضٰیؑ ہیں اور آخری بھی آج ہمارے زمانے کے اسلامی قائد حضرت امام مہدیؑ ہیں مزید براں لاکھوں ہی علما مجتہدین صالحین اور اولیاء اس مشن پر مامور ہیں جو بڑی تن دہی سے انسان کی تربیت کرتے ہیں انہی تربیت کرنے والوں کے سلسلے کی ایک کڑی ہمارے شفیق مربی فاضل استاد اور قابل صد احترام بزرگ علامہ سید مرتضٰی حسین صدر الافاضل مرحوم ہیں

موصوف علامہ کی طرز تربیت کے چند نمونے رقم کرنے سے پہلے قارئین کرام کیلئے ایک بات لکھ دوں کہ تعلیم انسان کو باخبر تو کر دیتی ہے مگر اصلی کام اپنی معلومات سے ہی معاشرے میں تعمیری کردار ادا کرنا ہے طب کا ایک طالب علم کتابوں کے مطالعہ یا استاد کی ھدایات کے بعد ضروری معلومات تو حاصل کر لیتا ہے مگر ان طبی معلومات سے افراد معاشرہ کو فیض یاب کرنے کیلئے عملی تربیت ازحد ضروری ہے ورنہ یہ طبیب محنت کے بجائے موت کا ذریعہ ہو گا اسی اصول کے تحت آج ترقی یافتہ معاشرے میں theory سے زیادہ Practical پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے اور گزشتہ ڈیڑھ صدی میں انسان کی برق رفتار ترقی کا راز ہی یہی اصول ہے دیگر علوم کی طرح اصلاح انسان یا انسان کو انسان بنانے کا علم بھی اسی اصول کا محتاج ہے علمی تربیت کے بغیر زبانی کلامی پندو نصائح انسان میں چنداں تبدیلی پیدا نہیں کر سکتے چاھے وہ قرآن مجید کی آیات مقدسہ یا آیات مبارکہ کا ہی مطالعہ کیوں نہ کرتا ہو تائید و ثبوت کے لئے خود قرآن مجید کا حوالہ پیش خدمت ہے۔

ترجمہ اللہ وہ ہے جس نے امیوں میں ایک رسولؐ بھیجا جو انہیں اللہ کی کتاب سناتا ہے ان کی تربیت کرتا ہے اور

کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے جسکے بغیر وہ ضلالت و گمراہی میں رہیں گے سورہ جمعہ آیت نمبر ۲
محولہ آیت مجید پر بحث مقصود نہیں صرف یہ نشاندھی کرنا ہے کہ ھدایت کرنیکا یہی طریقہ کار ہے کہ تربیت کو تعلیم پر ترجیح دی جائے یہ اصول سمجھ لینے کے بعد اس بات کا سمجھ لینابڑا آسان ہو جاتا ہے کہ وہ شخصیات جو تعلیم کے علاوہ انسان کی تربیت کیلئے علمی کاوشیں کرتی ہیں کتنی قابل قدر ہیں۔

علامہ مرتضیٰ حسین ان قابل علما میں سے ہیں جنھوں نے علم کے چراغوں کی روشنی میں تربیت کا علم بلند رکھا انسان کی اس ضرورت کو اہمیت دی اور اپنی معاشرتی و اقتصادی بساط سے کہیں بڑھ کو اس میدان میں شب و روز مسلسل انتھک محنت کی۔ اگرچہ راقم کو موصوف کی زندگی کے اکثرادوار کے مشاھدے کا شرف تو حاصل نہیں مگر جتنا مشاھدہ ہوا اور جتنی معلومات مل سکیں ان کی روشنی میں خدا لگتی بات یہی ہے کہ انہوں نے اپنی انفرادی اجتماعی گھریلو اقتصادی تبلیغی اور علمی زندگی کے ہر موڑ پر انسان کے لئے رشد و ہدایت کے لا تعداد انمٹ نقوش چھوڑے ہیں جن پر غور کر کے انسان ایک عرصہ دراز تک تربیت پاتا رہیگا۔

اس سلسلے میں موصوف نے " زبان کے بجائے انسان کی عمل سے راہنمائی کی اور اپنے کردار کے ذریعہ تربیت کی راقم صرف مندرجہ ذیل دوجہات سے اپنی معروضات پیش کرتا ہے۔

(1)موصوف کی اقتصادی زندگی

موصوف حوزہ علمیہ لکھنؤ کے مستند فارغ التحصیل بلند پایہ عالم دین تھے اپنے زمانے کی اعلیٰ تعلیمی سند صدر الافاضل کے حامل تھے ایک عالم آپ کے تبحراور قابلیت کا قائل رہا اور کسی عالم کے بارے میں آپکی رائے سند کی حیثیت رکھتی تھی اس کے باوصف آپ نے کسی مسجد میں بیٹھ کر کسی دینی مدرسہ کے ہی ہو کر یا مجلس عزا کے کسی منبر تک ہی محدود رہ کر اپنا اقتصادی بوجھ قوم پر نہیں ڈالا حالانکہ علمایہی کچھ کرتے تھے اور کر بھی رہے ہیں مگر خاصان خدا وقت کے دھارے میں دنیاوی اور ذاتی رخ میں بہنے کے بجائے اخروی اور الوہی سمت میں بہا کرتے ہیں تاکہ اپنی اور ساتھیوں کی ناو الہی ساحل پر پہنچائیں چنانچہ آپ نے ایک معمولی سرکاری سکول میں تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دے کر الکاسب حبیب اللہ کا عملی درس دیا۔ اس پر طرہ یہ کہ کسب معاش کے ساتھ ساتھ مسجد منبراور تقریر و تحریر کو بھی برابر اپنائے رکھا اور یوں علما کی مروج مصروفیات بھی جاری رکھیں اور اپنے حسن عمل سے یہ حقیقت واضح فرمائی کہ عالم دین قوم پر بوجھ نہیں ھوا کرتا بلکہ قوم کا بوجھ بانٹتا ہے مزید براں اپنے بچوں کو جبری مولوی بننے پر مجبور نہیں کیا بلکہ آزادانہ زندگی گزارنے کا اسلامی طریقہ انتخاب اپنایا چنانچہ جائے رشک ہے کہ آپ کے صاحبزاد گان معاشرے میں باوقار مقام رکھتے ہیں اور اکثر علما کی اولاد کی طرح آپ کی وفات کے بعد سرمایہ داروں کے گرد منڈلاتے نظر نہیں آتے آپ کے بچوں کے پاس جو کچھ ہے وہ یا آپ کا دیا ہوا ہے یا خود ان کی محنت کا پھل ہے کسی قومی ٹرسٹ یا ادارے کی دین

نہیں ہے۔ القصہ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے آپ نے قوم کو یہ تربیت دی کہ عالم دین کوئی موروثی پیشہ نہیں ہے اور نہ ہی مولوی صاحبان کا کوئی خاندان ہے جس کی علم دین پر اجارہ داری ہے اور مولوی یا عالم دین صرف اسی خاندان سے ہی ہوسکتا ہے راقم نے جب عالم شعور میں قدم رکھا تو جو ماحول لاہور پر طاری تھا وہ اسی سوچ کا حامل تھا بلکہ آج بھی کسی حد تک یہی تاثر قائم ہے کہ عالم دین ہونا کسی مولای خاندان سے متعلق ہونے سے مشروط ہے موصوف نے اپنے حسن عمل سے اس کو غلط ثابت کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ھمارے معاشرے کے کئی نوجوانوں نے جن کا تعلق غیر علما سے ہے کہیں بہتر معاشرے کی خدمت کر رہے ہیں اور علمی لحاظ سے بھی ایک بلند مقام پر فائز ہیں

اس سلسلے کی صرف ایک بات رہ گئی وہ بھی لکھ دوں کہ آپ کے اس کردار کی وجہ سے دنیاوی طور پر بھی آپکو کوئی نقصان نہیں ہوایعنی بحمد اللہ آپکی رہائش گاہ اپنی زر خرید تھی انھوں نے تمام بچوں کو خود پڑھایا لکھایا اور انکی شادیاں کیں اور اللہ سبحانہ نے وہ سب کچھ عطا کیا جس کے لئے بعض نام نہاد علما مراجع سے منحرف ہونے تک اتر آتے ہیں۔

موصوف کی تبلیغی زندگی

اس سلسلے میں کچھ لکھنے سے پہلے قارئین کرام کی سہولت کے لئے یہ واضح کردوں کہ اس عنوان سے میں موصوف کے علمی مقام و حیثیت کے بارے میں کچھ نہیں لکھوں گا کیونکہ میں اپنے آپ کو اس کے قابل نہیں پاتا کہ موصوف کے علمی مرتبے کی حدود یا بلندی بیان کر سکوں بھلا ایک ذرہ سَرِفلک پہاڑ کی بلندی کیونکر ماپ سکتا ہے بلکہ اس عنوان سے بھی میں آپ کے تربیتی پہلو کو سامنے لانے کی کوشش کرونگا میں یہ عرض کرونگاکہ موصوف نے اپنی تبلیغی کاوشوں سے عوام کی کس درجہ تربیت کا اہتمام فرمایا۔

تقریبا سارے علما ہی درس و تدرس اور تحریر و تقریر کا کام کرتے ہیں اور یوں وہ قوم کی فی المقدور رہنمائی کرتے ہیں موصوف نے اس میدان میں بھی معرکتہ لارا کارنامے انجام دیئے ہیں لال مسجد اندرون بھاٹی گیٹ میں ماہ رمضان کے دوران درس قرآن کے عنوان سے انکی تقریر ہوئی مبارک حویلی چوک نواب صاحب میں محرم کے پہلے عشرے کی مجلس عزا یا اکیس رمضان المبارک کو حضرت امیرؑ کی شہادتکی مجلس عزا ہو شیعہ مسجد کشمیریاں محلہ شیعیاں اندرون موچی دروازے میں مجالس و میلاد کمیٹی کے زیر اہتمام چہاردہ معصومین علیھم السلام کی ولادت و شہادت کے اجتماعات ہوں بنی پورہ شیعیاں مغلپورہ میں آپکا ہفتہ وار درس اخلاق ہو لاہور بھر میں عید میلادامیرالمومنینؑ عید میلاد سید الشہداؑ اور خاص طور پر راوی کنارے عید میلاد حضرت بقیتہ اللہ الاعظمی جشن ولادت امام مہدی علیہ السلام ہو ان تمام مواقع پر آپ منبر سے وعظ اخلاقیات ارشادات اور دنیا بھر کے علوم کے دریا بہاتے رہے اور ایک دنیا آپ سے کسب فیض کرتی رہی یہ آپ کی امتیازی شان ہے کہ وعظ و نصیحت اور تبلیغ کے نتیجے میں جو لوگ راہ راست پر آجاتے عملی

زندگی میں تدین تشرع اختیار کرتے آپ ان سے باقاعدہ رابطہ رکھتے اور سرپرستی فرماتے تھے خاص طور پر ان تازہ دیندار لوگوں کو تبدیلی کی وجہ سے جو عملی مشکلات پیش آتیں آپ اسکا ازالہ فرمایا کرتے تھے اور ان کو تنہا نہیں چھوڑتے تھے اس مقصد کے لئے آپ کو کئی کئی بار ان لوگوں کے ہاں آنا جانا پڑتا تھا ان متصادم متعلقین سے باربار مذاکرات کرنے پڑتے تھے اور اکثر بار تو بے دین افراد کی دشمنی تک مول لینا پڑتی تھی مگر آپ دیندار افراد کی حمایت میں ڈٹ جایا کرتے تھے اس سلسلے میں راقم کی نگاہ میں متعدد واقعات ہیں مگر صرف ایک واقعہ رقم کرنے پر ہی اکتفار کرونگا

شعیہ مسجد کشمیریاں محلہ شیعیان اندرون موچی دروازہ لاہور میں مقامی اور دیگر علما علی الخصوص موصوف کی بصیرت افروز تقاریر سے متاثر ھو کر نوجوانوں کا ایک گروپ مائل بہ تدین ہوا چودہ پندرہ نوجوانوں پر مشتمل اس گروپ میں سادات کشمیری اور خواجگان نارووالی خاندانوں کے افراد تھے انہوں نے عہد کیا کہ اپنی اور اپنے خاندان کی حد تک دینداری اختیاز کریں گے چنانچہ انہوں نے عین عنوان شباب میں داڑھی منڈوانا ترک کرویا سود کالین دین بند کیا خواتین کو پردے کا علمی رخ سمجھایا اور بہنوئی دیور جیٹھ ماموں زاد چچازاد خالہ اور پھوپھی زاد کی نامحری کا علمی احساس دلایا جبکہ ان رشتوں کو عملی طور پر کبھی بھی نامحرم تسلیم نہیں کیا گیا تھا نماز جماعت میں خشخشی داڑھی والے جوان زیادہ نظر آنے لگے گھروں میں قرآن مجید کے دور ہونے لگے مجالس و جلوس ہائے عزا میں عبادت کا عنصر داخل ہونے لگا گھریلو نشستوں میں غیبت تہمت اور چغلوری جیسے اخلاقی رزائل سے اجتناب ہونے لگاشاید کوئی چھ سات مہینے اس طرح گذرے ہوں گے کہ برادریوں کے چودھریوں بڑے بڑے حاجیوں اور سیدیوں کی اسلام کے نام سے خود پسند اقدار کا بھانڈا پھوٹ گیا انکا تقدس تقویٰ اور پرہیز گاری عریاں ہوگئی چنانچہ ان کا مشتعل ہونا قابل فہم تھا بس بھر کیا تھا ہر خاندان کے وڈیروں کی طرف سے ان نوجوانوں کے خلاف زبردست پراپیگنڈا مہم شروع ہوگئی انہیں قدم قدم اور جگہ جگہ پر مخالفت اور مخاصمت کا سامنا ہوا ان پر ہر طرح کی پابندیاں لگ گئیں بعض کو لاھور بدر کیاگیا بعض کو ایک دوسرے سے ملنے سے روکا گیا بعض کی نماز جماعت پر والدین کی اجازت کی شرط عائد کرائی گئی اور جوانوں کو مجالس و جلوس میں شرکت سے روک دیا گیا اس صورت حال بلکہ زبوں حالی میں ان مخلص باعمل نوجوانوں نے مقامی علما سے رجوع کیا اور فریاد کی کہ لال بھکروں سے ان کی جان چھڑائیں تو فریاد رسی اور پشت بناھی کے بجائے ان کی حوصلہ شکنی کی گئی بلکہ دوسروں کو یہ تاثر دیا گیا کہ ان نوجوانوں کی محرکات علما کی تعلیم و تربیت کی غلط عملی شکل ہے جس سے خاندان میں اختلافات ہوتے ہیں یہ جواب پاکر نہ صرف نوجوانوں کا یہ گروپ سخت بددل ہوا بلکہ آئندہ دین میں علمی تبلیغ بھی خطرے میں پڑگئی ایسے حالات میں بعض جوانوں نے موچی دروازے کے گردو نواح کے علماتک بات پہنچائی مگر اکثر علمانے پہلوتہی کی صرف ایک مرد مجاھد اور عالم باعمل ان جوانوں کے والدین اور خاندانوں کے وڈیروں سے الگ الگ اور اکھٹے گئی ملاقاتیں کیں مقامی علما کو بھی اعتماد میں لیا اور سب کو باور کرایا کہ مقام شکر نہیں کہ برسوں سے آپ واویلا کر رہے تھے کہ اسلام کے مطابق کوئی زندگی بسر نہیں کرتا کوئی شخص شریعت کو روز مرہ زندگی میں شامل نہیں کرتا اگر ان نوجوانوں نے آپ کی

آواز پر لبیک کہی ہے اور اپنے تئیں اسلام کے احکامات کو عملی شکل دی تو آپ خود ہی ان کے مخالف ہوگئے یہ نوجوان تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت سے کم نہیں ہیں البتہ بچے ہیں کہیں افراط و تفریط ہو جاتی ہو تو انہیں قائل کیا جا سکتا ہے اس طرح ان جوانوں کی جان چھوٹی اور وہ دوبارہ عملی طور پر دین اسلام کی خدمت میں لپٹ گئے اور یوں دین اسلام کے مطابق پورا ایک گروپ تربیت پاگیا۔

یہ واقعہ موصوف کی روشن تربیت کی ایک مثال ہے اسی طرح افراد سے بڑھ کر قومیات کی سطح پر بھی آپ نے ہر ہر موڑ پر پوری قوم کی تربیت کی کوشش فرمائی۔

آخر میں حضرت ختمی مرتبت کی ایک حدیث بیان کرکے قارئین کرام سے اجازت چاہونگا۔

جب خلاف دین اقدار رونما ہوں تو عالم کی ذمہ داری ہے کہ صحیح بات کرے ورنہ اس پر اللہ کی لعنت!

الکافی باب فضل العلم والعالم

خدارا سورۂ فاتحہ سنبھل کر پڑھیئے

۱۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

دال پر پیش ہے اور لام کے نیچے زیر ہے۔ اگر تیز رفتاری سے پڑھیں گے تو دُلِل کی آواز نکلے گی اور دُلِل شیطان کا نام ہے۔ لِلّٰهِ میں ہ کے نیچے زیر ہے اور ربِّ میں ر پر زبر ہے اگر جلد پڑھیں گے تو هِرَبُ کی آواز نکلے گی اور هِرَبُ شیطان کا نام ہے۔

۲۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔

مالك میں کاف کے نیچے زیر ہے اور یوم میں ی کے اوپر زبر ہے۔ جلد پڑھنے سے کیو کی آواز نکلتی ہے اور کیو شیطان کا نام ہے۔

۳۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ۔

اس میں ک پر زبر ہے، ن پر بھی زبر ہے جلد پڑھنے سے کَانَ کی آواز نکلتی ہے اور یہ بھی شیطان کا نام ہے

۴۔ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔

اس میں کاف اور قریب ہی ن پہ زبر ہے جلد پڑھنے سے کَنَس کی آواز نکلتی ہے۔ یہ بھی شیطان کا نام ہے۔

۵۔ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔

اس میں ت اور عین پر زبر ہے جلد پڑھنے سے تَعَل کی آواز نکلتی ہے یہ بھی شیطان کا نام ہے۔

۶۔ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ۔

اس میں ب کے نیچے زیر، عین پر زبر ہے اگر جلد پڑھیں گے تو بِعَل کی آواز نکلے گی اور یہ بھی شیطان کا نام ہے۔

از آیتہ اللہ العظمیٰ سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل مرحوم

پرستاران روح اللہ کا مقابلہ کعبہ عیسائیت کا وفد

نجرانیوں کا روحانی بھرم کھل گیا

قرآن مجید نے عموماً" نصرانیوں کو اچھے لفظوں سے یاد کیا ہے۔ ان کے مجموعی رجحانات اور اسلام سے ان کا رویہ مشرکین و یہود سے بہتر تھا۔ حبشہ سے یمن تک اور تبوک سے دومتہ الجندل تک کے پرامن و خونی واقعات نے روح اللہ کے پرستاروں کو محمد مصطفیٰ کی نبوت کا قائل کر دیا تھا لیکن پاپائیت اور کلیسائی بالادستی کے تصور برتری نے نجرانیوں کو چھیڑا "انا ولا غیری" اور "ہم چنیں ما دیگرے نیست" کے ترانہ سنج اپنی روحانی عظمت اور علمی شان دکھانے کے لئے میدان میں آگئے۔

نجران کی مذہبی و تاریخی اہمیت

مشرکوں نے خانہ کعبہ' یہودیوں نے قلعہ خیبر' اور نصرانیوں نے کعبہ نجران میں اپنے اپنے اڈے جما رکھے تھے۔ مذہبی جماعتوں کے ان مرکزوں کی وجہ سے حجاز میں کسی نئے مذہب کی کامیابی اسی وقت ممکن ہو سکتی تھی کہ یہ تینوں مرکز شکست کھا جاتے۔ فتح مکہ اور شکست خیبر کے بعد جہاں لات و منات کی بلندیاں خاک ہو گئیں وہاں اسرائیلی حقانیت کا دم نکل گیا۔

عیسائی رہنمایان مذہب نے دور رہ کر یہ تماشے دیکھے۔ مگر اب وہ بھی لرزہ براندام تھے۔ نجران عیسائیوں کا ایک قدیمی مسکن تھا' 560ء میں "اصحاب اخدود" (سورۃ البروج) والے واقعہ میں ان لوگوں کی ثابت قدمی نے عقیدتوں پر قبضہ کر لیا۔

کعبہ نجران

"مولو فیسیہ" (1) فرقے کے لوگوں نے بہت عرصہ پہلے ایک مہتم بالشان عمارت بنا کر کعبہ نام رکھ لیا تھا۔ یہ کعبہ تین سو کھالوں سے گنبد کی شکل میں بنایا گیا تھا اور بیت اللہ مکہ کی طرح اپنے حدود میں داخل ہونے والوں کے لئے حرم تھا۔ دو لاکھ (2) سالانہ کی وقفی آمدنی اور زائروں کے چڑھاوے اس کی جلالت کی ساکھ جمانے کے لئے کافی

تھے۔

اعشیٰ (اس عہد کا شہرہ آفاق شاعر) اسی معبد کے لئے بھجن لکھتا اور گاتا تھا۔ اسلامی عہد آغاز میں یہاں دینی مدرسے بھی تھے جن کا مدرس اعلیٰ اسقف اعظم ابوالحارثہ تھا۔ (طبقات 1/2 ص 84)

مکے سے ستر ابھی میل دور، یمن کے راستے پر عیسائیوں کا یہ شہر کھنڈروں کی شکل میں آج بھی موجود ہے۔

آغاز اسلام میں رومی سلطنت اس علاقے کی نگران تھی اور ابو حارثہ قیصر روم کی طرف سے یہاں کا لارڈ بشپ تھا۔ عبدالمسیح، کوز، قیس، سید عاقب ایہم نامی مذہبی علما تھے۔ رسول اللہؐ نے انہیں خط بھیجا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ اسقف
نجران و اھل نجران
اِنْ اَسْلَمْتُمْ فَاِنِّیْ اَحْمِدُ اِلَیْکُمُ
اللّٰہَ اِلٰہَ اِبْرَاھِیْمَ وَ اِسْحٰقَ و یعقوب
اَمَّا بَعْدُ : فَاِنِّیْ اَدْعُوْکُمْ اِلٰی
عبادۃ اللّٰہِ مِنْ عبادۃ العباد - وَ
ادعوکُمْ اِلٰی وَلَایَۃ اللّٰہ مِن وَلَایَۃ
العباد فان ابیتم فالجزیۃ، فاِنْ
ابیتم فقد آذنتکم بحرب
تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا
وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا
نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا
بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ
تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

(رحمۃ للعالمین ص ۳۶ - صبح الاعشیٰ ج ۶ ص ۳۸۰)

بنام خدائے رحمان و رحیم
رسول خدا، محمدؐ کی طرف سے نجران کے بشپ اور شہریوں کے نام
اگر تم لوگ ہمارے ہم نوا ہو۔ تو میں تمہارے سامنے خدائے ابراہیم و اسحٰق و یعقوب (علیہم السلام) کی حمد و ثنا کرتا ہوں۔ بندوں کی غلامی کے عوض عبادت خدا کے لئے دعوت دیتا ہوں اور انسانوں کی سرپرستی کے بدلے سرپرستی خدا کی طرف بلاتا ہوں۔
اگر تم اسے منظور نہ کرو تو "جزیہ" اور اگر یہ بھی ناقابل قبول ہے تو جنگ۔
آؤ، ہم سب اس مشترک بات پر جمع ہو جائیں کہ اللہ کے علاوہ کسی کی بندگی نہ کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے کو خدا نہ بنائیں گے ___ اگر اس سے بھی روگردانی کریں، تو کہہ دو گواہ رہنا ہم مسلمان ہیں۔

خط پڑھ کر لوگوں نے مشورہ کیا اور طے پایا۔ چلیں چل کر کچھ بحث مباحثہ کریں ___ چنانچہ ابو حارثہ کی قیادت میں عاقب، سید، عبدالمسیح، کوز، قیس، ایہم، چھ آدمی زرق برق کپڑے پہنے، امارت کی شان اور عظمت کے پرچم اڑاتے مدینے پہنچے۔ حریر و دیبا کے جبے، ان پر صلیبیں لٹکی ہوئی، سادہ مزاج مسلمانوں کو مرعوب کرنے کا تیور لئے بارگاہ

نبوت میں حاضر ہوئے تو حبیبؐ خدا نے انتہائی بے تاثری ظاہر کرتے ہوئے ملاقات فرمائی۔

گفتگو شروع ہوئی تو وحی کے معجزانہ استدلال و توضیحات نے لاجواب کر دیا۔

ابو حارثہ سے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کی توضیح

آل عمران کے چوتھے پانچویں رکوع میں آنحضرتؐ کا پورا بیان موجود ہے۔ جس میں آپ نے ایک تمہید کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں اسلامی عقیدے کی توضیح فرمائی:

"دیکھو! اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا تمہارے گناہ معاف فرمائے گا۔ وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو .... اللہ نے آدم، نوح، اولاد آدم، نوح اولاد ابراہیم و اولاد عمران کو سارے جہان میں منتخب فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ عمران کی اہلیہ نے کہا تھا: پروردگارا! میں نذر مانتی ہوں کہ جو بچہ میرے پیٹ میں ہے اسے تیری راہ میں آزاد کروں گی۔ میری نذر قبول فرما کہ تو سمیع و علیم ہے۔

ولادت ہوئی تو انہوں نے پھر عرض کی:

پروردگارا، میرے یہاں لڑکی پیدا ہوئی ...... اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔ میں نے اس کا نام مریمؑ رکھا ہے۔ اسے اور اس کی ذریت کو شیطان رجیم سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔۔۔

اللہ نے اس کو بہترین انداز میں قبول فرمایا۔ بہترین طریقے سے اسے پروان چڑھایا۔ اور زکریاؑ نے اس کی تربیت کی۔

جب بھی زکریا محراب میں آئے تو ان کے پاس روزی رکھے دیکھتے۔ اور پوچھتے ___ مریم! یہ کہاں سے آیا؟

مریم کہتی تھیں: ___ اللہ کے یہاں سے۔ وہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔

وہیں زکریاؑ نے دعا کی:

پالنے والے! اپنی بارگاہ سے مجھے بھی پاکیزہ اولاد مرحمت فرما۔ تو دعاؤں کو سنتا ہے۔

فرشتوں نے انہیں پکار کر کہا ___ زکریا کھڑے نماز پڑھ رہے تھے ___ بلاشبہ اللہ تمہیں یحییٰؑ کی بشارت دیتا ہے۔ وہ اللہ کے حکم کی تصدیق کرے گا سردار اور تجرد (3) پسند ہو گا۔ صالحین میں سے نبی ہو گا"۔

زکریاؑ نے عرض کی:

___ پروردگارا! میرے یہاں لڑکا کیسے ہو گا؟ میری بیوی تو بانجھ ہے ___ ارشاد ہوا:

ہاں، جب اللہ چاہتا ہے تو یونہی ہوا کرتا ہے،
زکریاؑ نے عرض کی:
"بار الہا! تو کوئی علامت و آیت بھی مجھے مرحمت فرما"۔
حکم ہوا:

تیرے لئے یہی آیت ہے کہ تین دن تک اشاروں کے علاوہ بات نہ کرنا اور اپنے پروردگار کو صبح و شام زیادہ سے زیادہ یاد کرتے رہنا۔

دوسرا واقعہ

اے مریم! اللہ نے تمہیں منتخب فرمایا پاک قرار دیا اور سارے جہان کی عورتوں میں پسند فرمایا ہے۔ مریم! اپنے رب کی عبادت اور اس کے لئے سجدے اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔

یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے انداز میں تمہارے پاس بھیجتے ہیں ورنہ تم اس وقت کہاں تھے جب کفالت مریم کے لئے قرعہ اندازی ہو رہی تھی یا جس وقت وہ آپس میں جھگڑا کر رہے تھے۔

اصل مسئلہ

ملائکہ نے مریمؑ سے کہا:
اللہ تمہیں اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہو گا۔ وہ دنیا و آخرت میں باوجاہت اور مقربین بارگاہ خدا ہو گا۔
وہ آغوش مادر اور بڑا ہونے پر لوگوں سے کلام کرے گا۔ اور صالحین سے ہو گا۔
مریم نے کہا:
رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ؕ
پالنے والے! میرے یہاں لڑکا کیسے ہو گا؟ مجھے کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا؟
قال ــــ کہا:
کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝
اللہ جسے چاہتا ہے یونہی پیدا کرتا ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے "ہو جا" کہتا ہے اور وہ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد گیارہ آیتوں میں حضرت عیسیٰؑ کے فضائل انصار عیسیٰؑ کے حالات، روح اللہ کے صعود آسمان کا تذکرہ ہے۔ اور فیصلہ کن انداز میں ارشاد ہوا:

آخری بات

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾

اللہ کے لئے عیسیٰؑ کی مثال، آدمؑ کی سی ہے، کہ انہیں بھی مٹی سے پیدا کیا۔ اور کن کہا، آدم زندہ ہو گئے۔ حق تمہارے پروردگار کی بات ہے اس لئے شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔

چیلنج

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾

اس یقینی بات کے بعد اگر اس سلسلے میں کوئی بحث و حجت کرے تو کہہ دو۔ آؤ، ہم اور تم اپنے فرزندوں، عورتوں اور جانوں کو لے آئیں۔ پھر آپس میں ایک دوسرے کے لئے بددعا کریں۔ اور جھوٹوں پر اللہ سے لعنت کی درخواست کریں۔

مباہلہ

روحانیت و صداقت، دین داری و حقانیت و خالص دینی زعامت و ریاست خدا پر اعتقاد اور غیر حق کی پرستاری معلوم کرنے کے لئے مباہلہ کا چیلنج صحیح طریق کار تھا۔

ہجوم سادہ لوحی، پنبہ گوش حریفاں ہے
وگرنہ خواب کی، مضمر ہیں افسانے ہیں، تعبیریں (غالب)

یہودیوں کا دستور تھا کہ جب دو آدمیوں میں کسی بات پر اختلاف ہو جاتا، یا دو آدمی اپنی اپنی بات کو حق ثابت کرنا چاہتے تھے تو عزیز وگراں بہا چیز کی قربانی پیش کرتے تھے۔ اس قربانی کو قبولیت و عدم قبولیت کا فیصلہ ربی و کشیش

کے ہاتھوں میں تھا۔

نصرانیوں کا عقیدہ تھا کہ نفرین' لعنت یا مذہبی پیشواؤں کی بددعا سے بچنا ضروری ہے ان کی بددعا پٹ نہیں پڑتی۔ لعنت و بددعا سے خود کفار و مشرکین عرب بھی بچا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت خبیبؓ کو کیوں نے سولی دینا چاہی تو آپ نے ان پر لعنت کی۔ حاضرین نے بھاگنا شروع کیا۔ جو باقی رہے انہوں نے ڈر کے مارے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ ابوسفیان نے اپنے بیٹے معاویہ کو زمین پر لٹا دیا تاکہ اس پر لعنت کا اثر نہ ہو (4)۔

قرآن مجید میں اسی بنا پر کافروں' منکروں' جھوٹوں پر بار بار "لعنت" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

جب عام حالات میں "ملاعنہ" اتنی خطرناک بات تھی تو دعویٰ داران دیانت و ذمہ داران قیادت کے مباہلہ کا کیا نقشہ ہوا ہو گا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے (5) ہیں:

"دعوت مباہلہ" سن کر وفد نجران نے مہلت لی کہ ہم آپس میں مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ آخر مجلس مشاورت میں ان کے ہوش مند تجربہ کار ذمہ داروں نے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ! تم یقیناً دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمدؐ نبی مرسل ہیں اور حضرت مسیح کے متعلق انہوں نے صاف صاف فیصلہ کن باتیں کہی ہیں۔ تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے بنی اسمٰعیل میں نبی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا' کچھ بعید نہیں یہ وہی نبی ہوں' پس ایک نبی سے مباہل و ملاعنہ کرنے کا نتیجہ کسی قوم کے حق میں یہی نکل سکتا ہے کہ ان کا کوئی چھوٹا بڑا ہلاکت یا عذاب الٰہی سے نہ بچے۔ اور پیغمبر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچ کر رہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے اپنی بستیوں کی طرف روانہ ہو جائیں کیونکہ سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی طاقت ہم میں نہیں"۔

یہی تجویز پاس کر کے حضورؐ کی خدمت میں پہنچے"۔

اراکین مباہلہ

آپؐ حضرت حسنؓ و حسینؓ' فاطمہ علی رضی اللہ عنہم کو ساتھ لئے باہر تشریف لا رہے تھے۔ یہ نورانی صورتیں دیکھ کر ان کے لاٹ پادری نے کہا کہ:

میں ایسے پاک چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دعا پہاڑوں کو ان کی جگہ سے سرکا سکتی ہے ان سے مباہلہ کر کے ہلاک نہ ہو۔ ورنہ ایک نصرانی زمین پر باقی نہ رہے گا۔

اسلام کی فتح

آخر انہوں نے مقابلہ چھوڑ کر جزیہ دینا قبول کیا' اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔

حدیث میں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ

"اگر مباہلہ کرتے تو وادی آگ بن کر ان پر برستی اور خدا تعالیٰ نجران کا بالکل استیصال کر دیتا۔ ایک سال کے اندر اندر تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے"۔

مولانا فرمان علی مرحوم نے آنحضرتؐ کی تشریف آوری کا نقشہ جلالین و بیضاوی کی روایت سے یوں قلمبند فرمایا ہے:

> "آپ نے تڑکے حضرت سلیمانؓ کو ایک سرخ کمل اور چار لکڑیاں دے کر اس میدان میں ایک چھوٹا سا سائبان کھڑا کرنے کو روانہ کیا اور خود اس شان سے برآمد ہوئے کہ امام حسینؑ کو بغل (گود) میں لیا اور امام حسنؑ کا ہاتھ تھاما اور جناب سیدہؑ کو اپنے پیچھے لیا اور حضرت علی کو ان کے پیچھے ___ خلاصہ یہ کہ اپنے بیٹوں کی جگہ اپنے نواسوں اور عورتوں کی جگہ اپنی صاحبزادی جناب فاطمہؑ کو اور اپنی جان کی جگہ حضرت علیؑ کو لیا اور دعا کی کہ خداوندا ہر نبی کے اہل بیت ہوتے ہیں۔ یہ میرے اہل بیت ہیں ان کو ہر برائی سے دور اور پاک و پاکیزہ رکھ (6)" (ترجمہ و حاشیہ ص 90)

یعقوبی (7) نے لکھا ہے کہ جس طرح آنحضرتؐ اہل بیت کو لے کر تشریف لائے تھے، اسی طرح عاقب و سید ابو حارثہ بھی اپنے دو بچے زیور و جواہرات سے آراستہ کر کے میدان میں لائے۔ آنحضرتؐ کو دیکھ کر پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ان میں سے ایک آنحضرتؐ کے ابن عم اور دونوں بچے آپ کے نواسے اور مخدرہ علیا آپ کی صاحبزادی ہیں۔

آنحضرتؐ جب تشریف فرما ہوئے تو گھٹنوں کے بل بیٹھے اور رکوع فرمایا۔

یہ منظر دیکھ کر ابو حارثہ گھبرا گیا اور پکارا:

جَثَا وَاللّٰهِ كَمَا تَجْثُوا الْنَبِيُّوْنَ لِلْمُبَاهِلَةِ — یہ تو خدا کی قسم اسی طرح بیٹھے ہیں جیسے انبیا مباہلہ کیلئے بیٹھا کرتے ہیں۔

صلح نامہ

24 ذی الحجہ 10ھ 631ء کو آنحضرتؐ نے امیر المومنین کو حکم دیا کہ امان نامہ لکھیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
هذا كتاب من النبي محمد رسول الله لنجران وحاشيتها اذ كان له عليهم حكمه في كل بيضاء وصفراء وثمرة ورقيق كان فضل ذلك كله لهم غير الفي حلة من حلل الاواقي	محمدؐ نبی رسول خدا کی یہ تحریر نجران متعلقات نجران کے لئے ہے۔ کیونکہ وہ اس آبادی کے فاتح ہیں۔ اس علاقے کی آمدنی، پیداوار، غلام سب یہاں والوں کی ملکیت میں رہیں گے

قِيمَةُ كُلِّ حُلَّةٍ اَربَعُونَ دِرهَمًا فَمَا زَادَ اَو نَقَصَ فَعَلٰى هٰذَا الحِسَاب الف في صفر والف في رجب

1- ہاں دو ہزار اواقی حلے جن میں سے ہر ایک کی قیمت کم و بیش چالیس درہم ہو گی۔ یہ حلے صفر اور رجب میں ایک ایک ہزار کی قسط سے دینا ہوں گے۔

(۲) وَعَلَيهِم ثلاثون دينارا مثواة رسلي شهرا فَمَا فوق

2- ہمارے قاصد کے لئے تیس دینار ماہانہ سے زیادہ روپیہ ادا کرنا ہو گا۔

(۳) وَعَلَيهِم فِي كُلِّ حرب كانت باليمن دروع عارِيَةٌ مَضمُونَة لَهُم بِذَالِك جوار الله وَذِمَّة محمّد

3- یمن میں اگر جنگ کرنا پڑی تو انہیں زرہیں بطور رعاریتی امداد کے دینا ہو گی۔
ان شرطوں پر اللہ اور محمدؐ کی ذمہ داری ہو گی۔

(۴) فَمَن اَكَلَ الرِّبا مِنهُم عَامهم هٰذا فذِمَّتي منه بَرِيئَة

4- اس سال کے بعد ان میں سے اگر کسی نے سود لیا تو میں بری الذمہ ہوں گا۔

عاقب نے عرض کی، کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسروں کی غلطی سے ہم مجرم قرار پائیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ پھر یہ عبارت لکھوائی:

"وَلَا يُؤخَذُ اَحَدٌ بِجِنَايَةِ غَيرِهٖ" (تاریخ الیعقوبی ۲/۶۷)

کسی دوسرے کے جرم میں دوسرے کو ماخوذ نہ کیا جائے گا۔

چند دنوں کے بعد سید و عاقب مدینے آئے آنحضرتؐ نے ابو ایوبؓ کے گھر میں مہمان کیا دونوں آدمی بخوشی اسلام سے مشرف ہو کر سرفراز ہوئے (8)۔

نجران کی فتح تاریخ عالم کی یادگار فتح ہے۔ مذہبی لڑائیاں عموماً" خون ریزی سے شروع ہو کر شمشیر زنی پر ختم ہوا کرتی ہیں۔ مشرکوں اور یہودیوں نے یہی کیا۔ مگر قدرت نے اب کی عنوان بدل دیا۔ فرشتوں کے بجائے معصوم اور سپاہ و لشکر کے بجائے چار رضاکار، تیر و تلوار کے بجائے دعا، فوج کشی کے بدلے صداقت و کرامت کے بعد صفات کردار میدان میں آئے اور بلازحمت حرکت لب "ملک" دین اور دلوں کی فتح نصیب ہوئی۔

حواشی

1- طبیعت واحدہ کا قائل مسیحی۔ المنجد فی العلوم الادب ص 522
2- سیرۃ النبی حصہ اول مجلد دوم طبع 1375ھ ص 49
3- مریم کی غیر ازدواجی زندگی کے مقابلے میں حضرت یحییٰ کا مجرد رہنا معصوموں کے ایک تقابلی مطالعے کا بہترین اشارہ

تھا۔ پھر بانجھ عورت کے بطن سے ولادت کا ذکر کر کے ایک دوسری قدرت خدا کو یاد دلایا گیا ہے۔ سبحان ربی العظیم و بحمدہ۔

4- آموزش اسلام ص 337

5- تفسیر و ترجمہ قرآن مجید ص 74-75 مطابق تفسیر خازن طبع مصر 1348ھ ج 1' ص 216-

6- مزید تفصیلات کے لئے صحاح و تفاسیر صحیح مسلم 278/2 نیز حیات القلوب ج 2' ص 594 ملاحظہ ہو۔

7- تاریخ ج 2 ص 66

8- طبقات قسم اول جز ثانی ص 85

فہرست ماخذ

1- قرآن حکیم۔

2- ابن اثیر: ابوالحسن علی بن ابوالکرم محمد بن محمد ابن اثیر جزری / م 360 ھج / الکامل فی التاریخ / دارالطبع جامعہ عثمانیہ / حیدر آباد دکن / 1938 عیسوی۔

3- ابن جنی: عثمان ابن جنی / م 392 ھج / دیوان شیخ الاباطح / تصحیح و تحشیہ: سید محمد صادق بحر العلوم / بغداد / 1356 ہجری مطابق 1937 عیسوی۔

4- ابن سعد: محمد ابن سعد بن منیع' ہاشمی' بصری' واقدی / ت بصرہ 168 ھج / م بغداد 14-4-230 یا 260 ہجری / الطبقات الکبری / مطبعہ بریل / لائیڈن / 1322 ہجری۔

5- ابن شہر آشوب: ابی جعفر رشیدالدین محمد بن علی بن شہر آشوب' سروی' مازندرانی / م - 588 ہجری مطابق 1779 عیسوی / مناقب آل ابی طالب / تحقیق و تصحیح: شیخ محمد حسین آشتیانی و حاج سید ہاشم رسولی محلاتی / طبع اول بمبئی سنہ ندارد۔

6- ابن ہشام: ابو محمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب حمیری / م۔ 213 یا 218 ہجری / سیرۃ سیدنا محمدؐ یا السیرۃ النبویہ / مطبعہ مصطفیٰ البابی / مصر 1354 ہجری۔

7- اجمل: محمد اجمل خان / سیرت قرآنیہ سیدنا رسول عربیؐ / دہلی / 1375 ہجری مطابق 1956 عیسوی

8- بلاذری:
انساب الاشراف / تحقیق و حواشی: ڈاکٹر حمید اللہ / دارالمعارف / مصر / 1959 عیسوی۔

9- جونپوری: شاہ عابد حسین اثنا عشری جونپوری / جلوہ نبیؐ مطبع کاظمی / جونپور / 1914 عیسوی۔

10- حمید اللہ: ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادی / سیاسی وثیقہ جات (از عہد نبوی تابہ خلافت راشدہ) / ترجمہ: مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی / مجلس ترقی ادب / لاہور / 1960 عیسوی۔

11- حمید اللہ : ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادی / عہد نبوی کے میدان جنگ / انتظامی پریس / حیدر آباد دکن / 1366 ہجری مطابق 1945 عیسوی۔

12- حمید اللہ : ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادی / مجموعۃ الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی و الخلافۃ الراشدۃ / قاہرہ / مصر / 1359 ہجری مطابق 1941 عیسوی۔

13- رضی : محمد بن حسین بن موسیٰ' شریف رضی / م - 476 ہجری مطابق 1015 عیسوی / نہج البلاغہ / ترجمہ : سید مرتضیٰ حسین و رئیس احمد جعفری و نائب حسین نقوی و عبدالرزاق ملیح آبادی / علمی پریس / لاہور / 1377 ہجری مطابق 1957 عیسوی۔

14- سیالکوٹی : میر محمد ابراہیم / سیرۃ المصطفیٰ / طبع اول / لاہور / سنہ ندارد۔

15- شبلی نعمانی : علامہ شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی / سیرۃ النبیؐ / اعظم گڑھ / ہند / 1375 ہجری مطابق 1955ء عیسوی۔

16- شوستری : عباس شوستری / خاتم النبین و آموزش در اسلام / برقی پریس / معسکر بنگلور / 1940 عیسوی۔

17- طبری : محمد بن جریر / م 301 ہجری / تاریخ الامم و الملوک / دارالمعارف / مصر / 1986 عیسوی۔

18- عباسی : احمد بن عبدالحمید عباسی / کتاب عمدۃ الاخبار فی مدینتہ المختار / طبع ثالث / مصر / سنہ ندارد۔

19- عبدالحمید خان / کلید جنت (سفرنامہ) / گوجرانوالہ / طبع دوم / 1368 ہجری مطابق 1950 عیسوی۔

20- عثمانی : علامہ شبیر احمد عثمانی و محمود حسن / ترجمہ و تفسیر قرآن مجید / مدینہ پریس / بجنور / ہندوستان / 1396 ہجری مطابق 1950 عیسوی۔

21- علی حافظ : علی بن عبدالقادر حافظ / فصول من تاریخ المدینتہ المنورۃ / طبع اول / جدہ / 15 صفر1386 ہجری مطابق 12 مئی 1968 عیسوی۔

22- علی حیدر : سید علی حیدر بن علی اظہر بن سید حسن باخدا / ت 1303 ہجری' کھجوا' سہارن پور / م - 16 ماہ رمضان 1380 ہجری مطابق 1961 عیسوی تاریخ ائمہ" / مطبع اصلاح / کھجوا / 1356 ہجری مطابق 1956 عیسوی۔

23- فرمان علی : مولانا حافظ فرمان علی / ت حدود 1370 ہجری مطابق 1853 عیسوی / م رجب 1334 ہجری مطابق 1916 عیسوی / ترجمہ و حواشی قرآن مجید / نظامی پریس / لکھنؤ / 1356 ہجری مطابق 1937 عیسوی۔

24- قبانچی : حسن القبانچی النجفی / الجوہر الروضیہ / نجف اشرف / 1961 عیسوی۔

25- مجلسی : شیخ الاسلام محمد باقر بن محمد تقی بن مقصود' علامہ مجلسی / ت - 1037 ہجری / م 27 ماہ رمضان 1110 ہجری / حیات القلوب / نول کشور / لکھنؤ / 1334 ہجری مطابق 1916 عیسوی۔

26- محمد حسین / مقصد الطالب فی احوال اجداد النبیؑ / دت پریس / بمبئی / سن ندارد۔
____ واقدی: رجوع کیجئے ابن سعد۔
27- ہیکل: محمد حسنین / حیات محمدؐ / ترجمہ: ابو یحیٰی امام خان / ادارہ ثقافت اسلامیہ / لاہور / 1375 ہجری مطابق 1956 عیسوی۔
28- یعقوبی: احمد بن ابی یعقوب یعقوبی / م بعد 628 ہجری / مطبعۃ الغرٰی / نجف اشرف / 1358 ہجری مطابق 1939 عیسوی۔

امامیہ مشن پاکستان کی مدد کے طریقے

1- آپ اس کے سرپرست بن جائیں۔
2- آپ لائف ممبر بن جائیں
3- آپ عمومی ممبر بن جائیں
4- آپ مشن کے ٹرسٹی ہو جائیں
5- مشن کی مطبوعات خرید لیں
6- مشن کی کتابیں خرید کر علما اور ذاکرین کو بلا قیمت مرحمت فرمائیں
7- سہم امام کی رقوم سے مشن کی مدد کی جاسکتی ہے
8- غربا' یتامی' بیوگان اور نادار افراد کے لئے رقوم ارسال فرمائیں مشن حقدار کو اس کا حق پہنچاتا ہے۔ (ادارہ)

*

نگارشات سید العلماء

"نگارشات سید العلماء" 24 مقالات پر مبنی 384 صفحات پر مشتمل یہ کتاب مومنین کے قلوب کو مطمئن کرتی ہے ہر گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔ ہدیہ -/150 روپے۔ ملنے کا پتہ امامیہ مشن یا افتخار بک ڈپو مین بازار اسلام پورہ لاہور۔

*

پروفیسر عبدالکریم خالد

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کی ادب پروری

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل مرحوم کے ہمہ جہت کارناموں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اس مختصر مضمون میں ان کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ مولانا کی اصل حیثیت ایک عالم دین کی ہے۔ علوم دینیہ میں انہوں نے جو کمال حاصل کیا اس کی گواہی ان اجازوں سے ملتی ہے جو مسلم امہ کے نامور علماء و محدثین نے انہیں عطا کئے۔ اسی سلسلے میں ایک اہم اجازہ روایت حدیث کی بنا پر مولانا شیخ الحدیث کے بلند مرتبے پر فائز ہوئے۔ یہ وہ مقام ہے جو سوائے علمی ریاضت کے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ مولانا کو السنہ شرقیہ، خصوصاً" عربی، فارسی اور اردو پر بے پناہ عبور حاصل تھا۔ چنانچہ اس لسانی مہارت کی بنیاد پر انہوں نے ان تمام علوم تک رسائی حاصل کی جو ایک عام انسان کی دسترس سے باہر ہیں۔ دینی علوم، خاص طور پر قرآن، حدیث اور فقہ کے حوالے سے مولانا کی علمی اور دینی بصیرت ان کتابوں میں کھلتی ہے جو ان کے تبحر علمی کی یادگار ہیں اور مذہبی علوم کی تاریخ میں ایک قابل قدر اثاثہ سمجھی جاتی ہیں۔ مولانا نے جس تسلسل کے ساتھ اپنی علمی ریاضتوں کو آگے بڑھایا ہے ان سے وہ ایک امتیازی علمی شان کے حامل قرار پاتے ہیں۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں اس نوع کی معدودے چند مثالیں ہی نظر آتی ہیں۔

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کا تعلق لکھنؤ سے تھا۔ یہاں یہ بات حیرت میں ڈالتی ہے کہ علمی و ادبی سطح پر جن نامور شخصیتوں کے ہاتھوں بڑے کام سرانجام پائے ہیں وہ کسی نہ کسی حوالے سے لکھنؤ سے ضرور وابستہ رہی ہیں۔ سردست ان شخصیتوں کے نام درج کرنے کا موقع نہیں لیکن علوم شرقیہ کی کوئی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ آپ کو ان کے سرے لکھنؤ سے ملتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسماء الرجال کی فہرست پر نظر ڈال لیجئے، ہندوستان کی سرزمین پر ایک خالص علمی فضا پیدا کرنے والی شخصیتوں کا سلسلہ نسب لکھنؤ سے ہو کر اوپر جاتا ہے۔ بظاہر یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے۔ انگریزوں کی دسترس میں لکھنؤ یا اودھ کے بارے میں لکھی جانے والی کتابوں میں لکھنؤ کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے، اسے دیکھیں تو لکھنؤ یہ لکھنؤ لگتا ہی نہیں جس کے علمی و ادبی تذکرے کے بغیر کوئی بھی علمی و ادبی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ مولانا مرتضیٰ حسین جیسے علماء نے سرزمین لکھنؤ کی وہ تصویر دکھائی ہے جو بہت اجلی، صاف ستھری اور خوبصورت ہے۔ لکھنؤ کے "سلطان المدارس" سے صدر الافاضل کی ڈگری حاصل کرنے والے مولانا مرتضیٰ حسین نے لکھنؤ کی آبرو ہی بحال نہیں کی بلکہ اسے برصغیر کے اہم ترین علمی، ادبی اور تہذیبی مرکز کے طور بھی متعارف کرایا ہے۔ مولانا

نے لکھنؤ ہی سے عربی اور فارسی میں "عمادالادب" "عماد الکلام" "فاضل ادب" اور "دبیرالکلام" کی اسناد بھی حاصل کیں اور یوں اپنی جودت طبع اور علمی دلچسپی کے سبب وہ اساس قائم کی جس پر ان کے اعلیٰ علمی و ادبی معیارات کی عمارت بڑی مضبوطی سے استوار نظر آتی ہے۔

مولانا ابتداء ہی سے اس نظریے پر قائم تھے کہ دنیا کا کوئی بھی علم، علوم دینیہ سے باہر نہیں ہے۔ وہ دینی علوم اور مادی یا سماجی علوم کے درمیان فاصلہ رکھنے کے قائل نہیں تھے۔ ہمارے یہاں عام طور پر مذہبی و دینی علماء کا یہ چلن رہا ہے کہ وہ ادب و شاعری کو ایک غیر ضروری شے سمجھ کر دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ ادب و شاعری سے ہٹ کر دیگر فنون لطیفہ کے بارے میں تو ان کا رویہ اور بھی زیادہ جارحانہ ہے۔ ان کے خیال میں ہر وہ فن، جس کا تعلق انسانی جذبات، کیفیات یا واردات قلب سے ہے، معاشرتی گمراہی اور فساد فی الارض کا ذمہ دار ہے فنون اور تخلیقات کے بارے میں یہ انتہا پسندانہ رویہ کسی طور بھی لائق تحسین نہیں۔ عبادات کا سارا فلسفہ جذبے، کیفیت اور واردات سے تعلق رکھتا ہے ان چیزوں پر قدغن لگا کر ایک سپاٹ اور بنجر زندگی کو رواج دینا دنیا کے کسی بھی مذہب کا منشا نہیں رہا۔ مولانا مرتضیٰ حسین اس حقیقت کو خوب اچھی طرح جانتے تھے۔ ان کے نزدیک، تخلیق و فن اور ادب و شعر کے بارے میں اپنی تنگ نظری اور تعصبات کو پروان چڑھا کر ہم سوائے ایک بنجر اور بے فیض معاشرے کے کچھ پیدا نہیں کر سکتے۔ دین اسلام سمیت ہر مذہب کی بنیاد محبت پر استوار ہے اور محبت کا بیج ہمیشہ نرم زمین میں پھوٹتا ہے۔ پتھریلی اور نرم زمین میں بارور ہونے والے پودوں کا فرق صاف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ زمین کی روئیدگی اور زرخیزی صحت مند بیج کو قبول کرنے میں ایک لمحے کا تغافل نہیں برتتی۔ جذبوں میں سوز، کیفیات میں تموج اور واردات میں گہرائی اس وقت تک پیدا ہو ہی نہیں سکتی جب تک طبیعت میں گداز اور نرمی نہ ہو۔ ادب و شعر اور دیگر فنون لطیفہ یہی کام کرتے ہیں جن سے ناتا توڑ کر ہم بنجر زمینیں کاشت کرنے کی سعی لا حاصل کر رہے ہیں۔

بات بہت آسان سی ہے۔ لیکن اس آسان بات کو عقدہ مشکل بنانے میں ہی اکثر لوگوں کا فائدہ ہے۔ مولانا مرتضیٰ حسین کی شخصیت میں یہ وصف موجود تھا کہ انہوں نے آسان بات کو آسان ہی رہنے دیا۔ وہ جتنے بڑے عالم تھے اور معتقدین کا جتنا بڑا حلقہ ان کے گرداگرد موجود تھا اس میں ان کی زبان فصاحت بیان اور زور قلم محض دینی علوم کے اسرار و رموز کھولنے تک ہی محدود رہتے تب بھی ان کی دانش و بینش میں سرمو کوئی فرق نہ آتا لیکن انہوں نے "الحکمتہ ضالتہ المومن" کے قول رسولؐ پر عمل کرتے ہوئے حکمت کی تلاش میں اردو، فارسی اور عربی شعرو ادب کے خزانوں کو بھی کھنگال ڈالا اور ایسے گراں بہا جواہر حکمت دریافت کئے جو ادب کی تاریخ میں ایک بیش قیمت سرمائے کا درجہ رکھتے ہیں۔

یہاں اس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ مولانا کا مذہبی اور دینی حلقے سے الگ ایک علمی و ادبی حلقہ بھی تھا۔ جس میں اولاً انہوں نے بے خود موہانی، محشر لکھنؤی، تمنا لکھنؤی، یاس یگانہ، چنگیزی، مسعود حسن رضوی ادیب اور حکیم

صاحب عالم کے فیض قربت سے استفادہ کیا اور ثانیاً" ڈاکٹر عبارت بریلوی، امتیاز علی تاج، مولانا غلام رسول مہر، پروفیسر حمید احمد خان، پروفیسر وزیر الحسن عابدی، ڈاکٹر آغا سہیل، صادق علی دلاوری، ڈاکٹر سید صفدر حسین، محمد شفیع دہلوی، سید عابد علی عابد، احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر وحید قریشی، سید سجاد رضوی اور سید وحید الحسن ہاشمی جیسے صاحبان فکر و فن کے حلقے میں رہ کر اپنی علمی و ادبی شناخت قائم کی۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کے حلقہ احباب میں شامل یہ نادر شخصیتیں ان کے علمی مقام و مرتبے کی نہ صرف قائل تھیں بلکہ لسانی اور ادبی مسائل پر ان کی رائے کو معتبر سمجھتی تھیں۔ ان خالص علمی و ادبی شخصیتوں کی قربت سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مولانا نے ایک زاہد خشک یا واعظ منبر بننے کے بجائے اپنے لئے جو زندگی پسند کی اس میں قدرت کی جلوہ گری کو دیکھنے کے ہزار رنگ موجود تھے۔ سید سجاد رضوی صاحب لکھتے ہیں:

"مرتضیٰ حسین عالم دین تھے لیکن ان کے تصور دین میں جلال و جمال دونوں شامل تھے۔ جہاں وہ فقہ اور اصول دین کے درس دیتے تھے وہاں وہ ادب و فن کے استحسان پر بھی لوگوں کی توجہ مبذول کراتے تھے۔ وہ آج کل کے اہل منبر کی طرح زبانی جمع خرچ کے قائل نہیں تھے ...... انہوں نے صرف رسمی علوم دین پر کتابیں نہیں لکھیں بلکہ ان کی کتابوں کا معتدبہ حصہ ادبی کاوشوں پر مشتمل ہے"۔

مولانا مرتضیٰ حسین کی ادبی کاوشوں کے حوالے سے ان کی شخصیت کا جو رخ ہمارے سامنے آتا ہے وہ جمالیاتی پہلو لئے ہوئے ہے۔ ان کی وضعداری، تہذیب اور شائستگی ان کے اسی جمالیاتی پہلو کی رہین احسان ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب، مولانا کو لکھنوی تہذیب کا ایک مثالی نمونہ قرار دیتے ہوئے ان کی وضعداری، تہذیب اور شائستگی کا بطور خاص ذکر کرتے ہیں جس میں مرتے دم تک کوئی فرق نہیں آیا۔ اسی سلسلے میں ڈاکٹر صاحب مولانا کی ادب پروری کا حوالہ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"مولانا ہم لوگوں سے زیادہ تر ادبی موضوعات پر باتیں کرتے تھے غالب ان کا خاص موضوع تھا۔ غالب پر ان کی معلومات قابل رشک تھیں۔ انہوں نے غالب کی کئی تصانیف کو بڑی محنت اور سلیقے سے مرتب کیا۔ ویسے دوسرے اردو اور فارسی شاعروں سے بھی انہیں دلچسپی تھی اور وہ ان کی شاعری کے بارے میں نہایت دلچسپ باتیں کرتے تھے۔ مولانا کا زیادہ وقت علمی ادبی کاموں میں گزرتا تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایسی تصانیف چھوڑی ہیں جن سے ادب سے دلچسپی رکھنے والے ہمیشہ ہمیشہ استفادہ کرتے رہیں گے"۔

ڈاکٹر عبارت بریلوی صاحب کی ان سطور سے مولانا کی ادبی زندگی کے تمام خدوخال واضح ہو کر ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ اسی پس منظر میں چند دیگر اکابرین کی آراء بھی ملاحظہ کیجئے:

ڈاکٹر شارب ردولوی صاحب لکھتے ہیں:

"انھوں نے علم و ادب پر جتنا کام کیا ہے اس زمانے میں کسی اور نے اتنا کام نہیں کیا ہو گا۔ غالب اور مطالعہ غالب پر ان کی جو نگاہ تھی اس کا زمانہ قائل ہے"۔

ڈاکٹر خلیق انجم صاحب لکھتے ہیں:

"پاکستان کے غالب شناسوں کی صف اول میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ انھوں نے غالب کے خطوط کے متن کی ترتیب میں جس دیدہ ریزی سے کام لیا اور جیسی جان کھپائی، وہی ان کی سرخروئی کے لئے کافی ہے"۔

ڈاکٹر سجاد باقر رضوی رقمطراز ہیں:

"مولانا مرتضیٰ حسین فاضل سے میری پہلی ملاقات بحیثیت محقق اور ادیب ہوئی۔ تحقیق، تدوین اور لغت سازی میں ان کی حیثیت مسلم ہے۔ مجلس ترقی ادب اور شیخ غلام علی اینڈ سنز کے لئے انھوں نے بہت عرق ریزی کے ساتھ علمی و تحقیقی کام سرانجام دیئے جو نہایت وقیع ہیں"۔

احمد ندیم قاسمی کے الفاظ میں:

"سید مرتضیٰ حسین انتہائی محنت کے ساتھ تحقیق کی آخری حدود تک جانے والے دانشور، عالم اور نقاد تھے۔ وہ ایسے شخص تھے جن کا کام بہت بڑا تھا لیکن وہ اس کے لئے چھوٹا سا دعویٰ کرنے کے بھی قائل نہ تھے۔ وہ ہمیشہ اپنی کتابوں میں زندہ رہیں گے"۔

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب لکھتے ہیں:

"ادب میں بھی ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا خصوصاً غالبیات میں انھوں نے تحقیق کا جو معیار پیش کیا ہے اس سے ہمیشہ غالبیات کے محققین فائدہ اٹھاتے رہیں گے"۔

ڈاکٹر آغا سہیل صاحب کی سطور ملاحظہ ہوں:

"وہ غالبیات" کے بہت بڑے ماہر تھے۔ انھوں نے غالب کی شاعری کو جس وسعت نظر سے دیکھا اس کی دوسری مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ تحقیق کے فن میں مولانا ایک مستند حیثیت کے حامل تھے"۔

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صاحب لکھتے ہیں:

"مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی ایک نامور علمی و ادبی شخصیت تھے، ان کی ادبی کاوشیں ناقابل فراموش ہیں جن سے میں اور میرے جیسے ادب کے دیگر قارئین استفادہ کر رہے ہیں اور برابر مستفید ہوتے رہیں گے۔ غالب اور محمد حسین آزاد کے مکاتیب کو انھوں نے جس سلیقے،

صحت اور محنت سے مرتب کیا ہے اور نہایت قابل قدر حواشی کے اضافے سے شائع کرایا ہے وہ ایسے نہیں کہ جن سے اردو ادب کا کوئی باذوق قاری صرف نظر کر سکے"۔

درج بالا آراء میں اکابرین ادب نے مولانا کی ادبی خدمات کے سلسلے میں بطور خاص غالب پر ان کے قابل قدر تحقیقی کام کا حوالہ دیا ہے۔ غالب کے ساتھ اپنی خصوصی دلچسپی کا اظہار مولانا نے خود بھی ایک جگہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"غالب پر میں نے اپنی زندگی کے کم و بیش تیس سال اور ہزاروں روپے صرف کئے۔ تب کہیں اس تحقیقی کام کا ایک حصہ مکمل ہوا اور کلیات غالب (فارسی)، اردوئے معلی، عود ہندی کے علاوہ بہت سے مقالات و رسائل لکھے جو چھپ چکے ہیں"۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ غالب (خصوصاً" نثر غالب) پر مولانا کا تحقیقی کام اتنا وقیع ہے کہ اس کی مثال پیش کرنا مشکل ہے۔ خطوط غالب کے سلسلے میں مولانا نے نہ صرف غالب کے کئی خطوط از سرنو دریافت کئے بلکہ اردوئے معلی میں شامل خطوط کو تصحیح متن، تعین تاریخ اور اہم حواشی کے ساتھ دو حصص پر مشتمل تین جلدوں میں شائع کرایا۔ اردوئے معلیٰ کا صدی ایڈیشن 1969ء میں مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کیا۔ اردوئے معلی کی ترتیب و تدوین میں مولانا نے جدید اصول تحقیق کی روشنی میں خطوط کے مضامین کی فہرست اور اشاریے بھی ترتیب دیئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی تمام ماخذات کا اندراج بھی کیا ہے۔

غالب کے حوالے سے مولانا کا دوسرا کارنامہ "عود ہندی" کی ترتیب و تدوین ہے جسے مولانا نے 1868ء کے پہلے ایڈیشن کی بنیاد پر تصحیح متن اور حواشی و تعلیقات کے ساتھ مرتب کیا۔ اس سلسلے میں 1868ء کے بعد "عود ہندی" کے شائع ہونے والے تمام ایڈیشن مولانا کی نظر میں رہے جن میں ایڈیشن اول کی غلطیوں کا اعادہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ تصحیح متن کا ادق اور مشکل کام انہوں نے جس محنت اور عرق ریزی سے سرانجام دیا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

غالب پر تحقیق کے سلسلے میں مولانا کی دیگر کتب میں سرود غالب (1968ء شیخ مبارک علی تاجر کتب، لاہور) اور کلیات غالب، فارسی (1967ء مجلس ترقی ادب، لاہور) شامل ہیں۔ مولانا کا ایک اہم مقالہ "سبد چین غالب پر ایک نظر" ماہنامہ احسن رامپور میں 1950ء میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ پاکستان کے ادبی رسائل ماہ نو کراچی، سہ ماہی اردو کراچی، افکار کراچی، صحیفہ لاہور، نقوش لاہور میں شائع ہونے والے مضامین الگ ہیں جو مختلف اوقات میں شائع ہوتے رہے۔ آج کل دہلی میں بھی ان کے کئی ایک مضامین شائع ہوئے (ان مضامین کو اہل ادب کے افادے کے لئے کتابی صورت میں یکجا کرنا بہت ضروری ہے) مولانا کے غالب پر کئی غیر مطبوعہ مسودات بھی موجود ہیں جن میں "دیوان غالب پر نقد و نظر"، "غالب اور ان کا فن"، "دفتر خطوط غالب" اور "غالب نقد و سوانح" کی نشاندہی ہوئی ہے۔

مکاتیب غالب کی ترتیب و تدوین کے ساتھ ساتھ مولانا محمد حسین آزاد کے خطوط کی تدوین کا کام بھی مولانا کے اہم تحقیقی کاموں میں شمار ہوتا ہے۔ ان کی کتاب "مکاتیب آزاد" مجلس ترقی ادب لاہور کے زیر اہتمام 1966ء میں منظر

عام پر آئی۔ مولانا کی کتاب ''آزاد پر چند مقالات'' (غیر مطبوعہ) آزاد کی شخصیت اور فن کی بعض اہم جہتوں کو نمایاں کرتی ہے آزاد کے حوالے سے ان کی ایک اور غیر مطبوعہ کتاب ''مقالات آزاد'' کا سراغ بھی ملا ہے۔ غالب کے بعد مولانا مرتضیٰ حسین کو جس شاعر سے خاص دلچسپی رہی ہے، وہ حیدر علی آتش ہیں۔ 1955ء میں انہوں نے آتش کے کلام کا انتخاب کیا جسے کتاب منزل لاہور نے 1957ء میں شائع کیا۔ آتش پر ان کی دوسری کتاب ''احوال آتش و تعارف کلیات'' 1972ء میں مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کی۔ مولانا کی ایک کتاب ''سوانح و نقد آتش'' کا سراغ بھی ملا ہے۔ جو غیر مطبوعہ ہے اور اس کا ذکر روزنامچہ 1979ء میں موجود ہے۔

کلیات آتش کی ترتیب و تدوین مولانا کا اہم کارنامہ ہے جسے مجلس ترقی ادب لاہور نے دو جلدوں میں شائع کیا۔ جلد اول 1973ء میں شائع ہوئی جبکہ جلد دوم 1975ء میں منظر عام پر آئی۔ مولانا نے ناسخ اور ذوق کے کلام کا انتخاب بھی کیا۔ یہ دونوں کتابیں 1957ء میں کتاب منزل، لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوئیں۔ ''انتخاب کلیات میر'' جسے مولانا نے 1942ء میں مرتب کیا، ابھی تک غیر مطبوعہ ہے 1942ء ہی میں انہوں نے جوش کی نظموں اور غزلوں کے مجموعہ ''شعلہ و شبنم'' کا انتخاب بھی کیا۔ انتخاب بھی غیر مطبوعہ ہے۔ جوش کی نظموں کے ایک اور مجموعہ ''آیات و نغمات'' کا انتخاب بھی ''منتخب آیات و نغمات'' کے نام سے کیا گیا جو غیر مطبوعہ ہے۔ مولانا کے بعض دیگر منتخبات بھی ''گلدستہ اشعار'' ''گلستان سخن'' ''منتخب اشعار'' کے نام سے موجود ہیں جو ابھی تک شائع نہیں ہوئے۔ اسی تسلسل میں ان کا ایک انتخاب ''بر محل اشعار'' کے نام سے 1950ء میں شائع ہوا۔ مولانا مرتضیٰ حسین نے اردو مرثیے کے ذیل میں تحقیقی و تنقیدی کام سرانجام دیا ہے۔ چنانچہ ''انیس اور مرثیہ (1976ء فیاض پریس لاہور)'' ''مرثیہ - تاریخ سے تجربہ کی طرف'' (1976ء، مطبع عالیہ، لاہور) منتخب مراثی، صدی ایڈیشن (1974ء مجلس ترقی ادب، لاہور) اور ''جواہر دبیر'' (1986ء شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور) ان کی اہم اور قابل قدر تصنیفات شمار ہوتی ہیں۔ ان کی ایک کتاب ''تذکرہ مرثیہ گویاں'' کے نام کا سراغ بھی ملتا ہے۔ جو غیر مطبوعہ ہے۔

اردو زبان و ادب کے حوالے سے مولانا کی بعض دیگر کتب میں مثنویات حالی (1966ء شیخ مبارک علی، تاجر کتب)، اردو قواعد و انشاء (1977ء ادارہ التحریر، لاہور)، تاریخ ادب اردو، (1966ء ولی سنز، پبلشرز، لاہور)، تذکرہ ریاض الفردوس (شیخ مبارک علی تاجر کتب)، جدید نسیم اللغات (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور) اقبال، اہل بیت کی بارگاہ میں (غیر مطبوعہ) انتخاب صحیفتہ انغرالی از صفی لکھنوی (غیر مطبوعہ)، انتخاب مظہر عشق (غیر مطبوعہ)، باقیات فانی سے انتخاب (غیر مطبوعہ)، دیوان شاہی پر..... (غیر مطبوعہ)، قصیدے کا ارتقا (غیر مطبوعہ)، میزان الشعر (غیر مطبوعہ)، مجموعہ بے رنگ (غیر مطبوعہ) شامل ہیں۔ یہ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کی اردو ادب پر لکھی گئی وہ کتابیں ہیں جو کسی نہ کسی حوالے سے دستیاب ہوئیں یا مولانا کے روزنامچوں اور ڈائریوں سے ان کے ناموں کا سراغ مل گیا۔ ممکن ہے ان کی بعض ایسی کتابیں بھی ہوں جن کا نام اور سراغ نہیں مل سکا۔ اس سلسلے میں مولانا کے صاحبزادے سید حسین مرتضیٰ اپنی زیر تالیف

کتاب "بوستان فاضل" میں لکھتے ہیں:

"___ انہوں نے اپنی 64 سالہ زندگی میں علم و ادب کے مختلف شعبوں میں کم از کم تین سو دس تالیفات بطور یادگار چھوڑیں جو ان مضامین و مقالات کے علاوہ ہیں جو ہزاروں کی تعداد میں دنیا بھر کے علمی و ادبی و تحقیقی رسالوں، مجلوں، روزناموں اور عربی، اردو کی انسائیکلوپیڈیاز میں اردو، عربی اور فارسی زبانوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر تالیفات مرحوم کے کتاب خانہ میں مل گئی ہیں۔ بعض کا تذکرہ ان کی متفرق تحریروں اور تالیفات میں مل گیا ہے اور چند ایسی بھی ہیں جن کا نام و نشان ابھی تک نہیں مل سکا"۔

بقول سید حسین مرتضیٰ، مولانا کی چند کتابوں کا نام و نشان نہیں مل سکا۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہو سکتی ہیں تاہم سید حسین مرتضیٰ کے نزدیک اس کا ایک سبب یہ ہے کہ:

"مرحوم کا دستور تھا کہ وہ کتاب کے بارے میں کبھی بھی بخل سے کام نہیں لیتے تھے ___ انہوں نے اپنی اسی اخلاقی شان کے سبب اپنے خصوصی نسخے اور مسودے بھی احباب کو عاریتاً" دینے میں کوتاہی نہیں کی اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان کے بعض احباب نے اس حد تک خیانت کی کہ ان کے اصل مسودے کو غائب کر کے اسے اپنے نام سے چھپوا دیا۔ لیکن انہوں نے اس قسم کے ایک واقعہ کے علاوہ کسی اور واقعہ کو قلم بند کرنا مناسب نہیں سمجھا"۔

بہرحال اب یہ محققین کا کام ہے کہ وہ مولانا کے مفقود الخبر نسخوں یا مسودوں کا سراغ لگائیں یا پھر خود سید حسین مرتضیٰ صاحب مولانا کے ان احباب کی خیانت کو بے نقاب کر سکتے ہیں جنہوں نے مولانا کے مسودوں کو اپنے نام سے چھپوا دیا۔ تاہم مولانا کی دستیاب کتابوں اور مسودات کی روشنی میں ان کے علمی و ادبی مقام و مرتبے کا تعین بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے۔

یہ بات اپنی جگہ بے حد اہم ہے کہ مولانا نے اپنی اپنی مصروفیات کے باوجود اپنی زندگی کا بیشتر حصہ علم و ادب کے لئے وقف کر دیا۔ اور تحقیق و تدوین کے میدان میں ایسے کمالات دکھائے جو ان جیسے صاحب علم و بصیرت ہی سے ممکن ہو سکتے تھے۔ مولانا کی یہ ادبی خدمات اس لائق ہیں کہ انہیں ادب و شعر اور تحقیق کی دنیا میں قابل لحاظ مقام دیا جائے۔ ہمارے یہاں ایسے لوگوں کی مقدار آٹے میں نمک کے برابر ہے جو مولانا کی طرح دیدہ ریزی کر کے تلاش و جستجو کے عمل کو آگے بڑھا سکیں۔ کتنے لوگ ہیں جو مولانا کے راستے پر چلتے ہوئے ذہنی مشقت اور دماغ سوزی کر کے جگر کو خون کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔

مولانا نے فارسی اور عربی ادب کے حوالے سے جو کام کیا ہے وہ ایک الگ مضمون کا متقاضی ہے۔ ان زبانوں کے کلاسیکی ادب کو اردو میں منتقل کر کے انہوں نے نہ صرف اردو کا دامن نئے مضامین سے بھر دیا ہے بلکہ ان زبانوں

کے باہمی ربط ضبط اور لسانی و فکری آہنگ کو اور زیادہ مضبوط اور مستحکم بنا دیا ہے۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل اب ہم میں موجود نہیں لیکن ان کے شاندار علمی و ادبی کارنامے ان کی یادگار ہیں جو آنے والی نسلوں کو ایک متوازن و مرتب تہذیبی شخصیت کی یاد دلاتے رہیں گے۔

طلب رزق کے لیے

(۱)

یَا رَازِقَ الْمُقِلِّیْنَ وَ یَا رَاحِمَ الْمَسَاکِیْنَ وَ یَا وَلِیَّ الْمُؤْمِنِیْنَ یَا ذَاالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَارْزُقْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاکْفِنِیْ مَا اَھَمَّنِیْ۔

(۲)

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ تَوَکَّلْتُ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ صَاحِبَۃً وَّلَا وَلَدًا وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا۔

(۳)

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ مِنْ فَضْلِکَ الْوَاسِعِ الْحَلَالِ الطَّیِّبِ رِزْقًا وَاسِعًا حَلَالًا طَیِّبًا بَلَاغًا لِلدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ صَبًّا صَبًّا ھَنِیْئًا مَّرِیْئًا مِّنْ غَیْرِ کَدٍّ وَّلَا مَنٍّ مِّنْ اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ اِلَّا سَعَۃً مِّنْ فَضْلِکَ الْوَاسِعِ فَاِنَّکَ قُلْتَ وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ فَمِنْ فَضْلِکَ اَسْئَلُ وَمِنْ عَطِیَّتِکَ اَسْئَلُ وَمِنْ یَدِکَ الْمَلْاٰی اَسْئَلُ

(۴)

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَکَفَّلْتَ بِرِزْقِیْ وَرِزْقِ کُلِّ دَآبَّۃٍ یَا خَیْرَ مَدْعُوٍّ وَیَا خَیْرَ مَنْ اَعْطٰی وَیَا خَیْرَ مَنْ سُئِلَ وَیَا اَفْضَلَ مُرْتَجٰی اِفْعَلْ بِیْ۔

(۵)

اَللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تُوْلِجُ اللَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَتُوْلِجُ النَّھَارَ فِی اللَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ یَا رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَرَحِیْمَھُمَا تُعْطِیْ مِنْھُمَا مَنْ تَشَآءُ وَتَمْنَعُ مِنْھُمَا مَنْ تَشَآءُ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاقْضِ عَنِّیْ دَیْنِیْ۔

اقوالِ زرّیں حضرت علی علیہ السّلام

۱۔ کامیابی ہوشیاری سے حاصل ہوتی ہے اور ہشیاری تجربوں سے۔
۲۔ نیکی سے سرداری حاصل ہوتی ہے۔
۳۔ شکر کرنے سے نعمت بڑھتی ہے
۴۔ کارخانۂ قدرت میں فکر کرنا بھی ایک عبادت ہے۔
۵۔ عزّت کے سامان تکالیف کے برداشت کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔
۶۔ مزدوری محنت سے ملتی ہے۔
۷۔ غرور کا انجام بہر حال ہلاکت ہے۔
۸۔ جہالت اور موت میں کوئی فرق نہیں۔
۹۔ نفس کی خواہشیں موجبِ آفات ہیں۔
۱۰۔ لذّات نفسانی مقصدِ زندگی بگاڑنے والی ہیں۔
۱۱۔ دل کی بے جا اُمنگیں پراگندہ خیالات کے سوا کچھ بھی نہیں۔
۱۲۔ نیکوئی نرم دلی سے حاصل ہوتی ہے۔
۱۳۔ کسی کے احسان کا بدلہ کرنا اس کی منت سے آزاد ہونا ہے۔
۱۴۔ تمام نیکیوں کا دارو مدار صبر پر ہے۔
۱۵۔ سچی دوستی بہترین نعمت اور موجب برکت ہے۔
۱۶۔ اطمینان سے کام کرنا ایک اچھی صفت ہے۔
۱۷۔ حد سے زیادہ بے قراری وجۂ ہلاکت ہوتی ہے۔
۱۸۔ سخاوت ایک پسندیدہ عادت ہے۔
۱۹۔ غرور بے وقوفی اور کمینہ پن ہے۔
۲۰۔ علم ایک بے بہا خزانہ ہے۔
۲۱۔ قناعت سے عزّت حاصل ہوتی ہے۔
۲۲۔ یقین سے دل مطمئن رہتا ہے۔
۲۳۔ حصولِ مطلب تسلّیٔ خاطر کا باعث ہے۔
۲۴۔ قرض غلامی ہے اور اس کا ادا کر دینا آزادی۔
۲۵۔ سچائی ایک اعلیٰ خصلت ہے۔
۲۶۔ جھوٹ ایک بُری عادت ہے۔
۲۷۔ خاموشی سے آدمی باوقار رہتا ہے۔
۲۸۔ بیہودہ گوئی ایک دن مطعون کرتی ہے۔
۲۹۔ کسی کو خواہ مخواہ تنگ کرنا کمینہ پن ہے۔
۳۰۔ غور و فکر کا انجام کامیابی ہے
۳۱۔ غفلت کا نتیجہ محرومی ہے۔
۳۲۔ پرہیزگاری مشتبہ چیزوں کے اجتناب سے حاصل ہوتی ہے۔
۳۳۔ ہر بات میں چناں وچنیں، ایں وآں مشکوک بنا دیتا ہے۔
۳۴۔ بزدلی اور پست ہمّتی کم عقلی سے ہی پیدا ہوتی ہے۔
۳۵۔ سچّائی کامیابی کا سبب ہے اور جھوٹ رُسوائی کا۔
۳۶۔ خدا کی فرمانبرداری ہر آفت سے بچاتی ہے۔
۳۷۔ صبر کرنا عقل مندی ہے اور بے قراری نقصان کے سوا کچھ نہیں۔
۳۸۔ بہادری زینت اور بزدلی عیب ہے *

******

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل مرحوم

اور سیاست

از سید حسین مرتضیٰ

سیاسی میدان میں علامہ مرحوم پختہ سیاسی فکر کے حامل تھے اور وہ سیاست کو عین دین اور دین کو عین سیاست سمجھتے تھے۔ وہ ہمیشہ سے علماء ہی کو سیاست کا اہل سیاسی قیادت کا صحیح وارث خیال فرماتے تھے۔ اور ان کا کہنا تھا کہ ہندوستان، پاکستان میں مسلمانوں کے فکری اور سیاسی زوال اور غلامی کا سبب فقط یہی ہے کو انہوں نے سیاسی میدان میں علماء کی قیادت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اور یہی یورپ کی وہ سب سے بڑی کامیابی ہے جس کے سبب وہ مسلمانان برصغیر کو اپنا غلام بنائے ہوئے ہے۔

انہوں نے اپنی تقریروں اور کتابوں میں اپنے سیاسی موقف کو ہمیشہ واضح انداز میں پیش کیا۔

ان کے بچپنے میں آیتہ اللہ نائنی کی مرجعیت کا دور تھا اور انہوں نے اس عہد کے لکھنؤ میں پرورش پائی تھی جو نہ صرف یہ کہ اس وقت ایک اہم علمی مرکز تھا بلکہ فقہ و علوم و سیاست مکتب اہل بیت و تشیع کا مرکز ثقل تھا اور اکابر علماء نجف و مراجع کبار اس مرکز کے علماء سے استفادہ کو اپنے لیے باعث شرف و فضیلت سمجھتے تھے اور یہ علماء بھی ماسلف کے اسلوب و روایات کے محافظ و امین تھے۔

اس لیے وہ سیاسی طور پر ایک خالص مومن سیاست دان اور خفیہ سیاست مدار تھے جس زمانے میں میں نے ہوش سنبھالا وہ آیتہ اللہ بروجردی رحمتہ اللہ علیہ کی مرجعیت کا دور تھا اور ہمیں اچھی طرح یاد ہے کو اس زمانے میں والد مرحوم کی محفلیں نجف و قم کے واقعات کے تذکروں سے معمور رہتی تھیں ان سے تازہ ترین اطلاعات حاصل ہوتی تھیں اور وہ وسائل کی کمی کے باوجود کسی نہ کسی طرح ان اطلاعات کو نہ صرف یہ کہ علماء و زعما تک منتقل کرتے تھے بلکہ اعلیٰ ادبی اور سیاسی محفلوں میں ان کو ایک متحرک حقیقت بنا کر حکومت عراق و ایران پر پاکستان کی طرف سے ایک بھرپور سیاسی دباؤ ڈالنے میں کامیاب ہو جایا کرتے تھے۔

ملک بھر کے علماء ہمارے گھر کو حوزہ علمیہ نجف و قم کا نمائندہ سمجھتے تھے اور وہاں کے سیاسی، علمی اور ثقافتی حالات کی اطلاع کے لیے اس گھر کا رخ کرتے تھے۔

جب کبھی بھی ایران عراق کے حکمرانوں سے علماء کی کوئی اہم ٹکر ہوتی اور علماء کی جانب سے شہادتیں پیش کی جاتیں علامہ مرحوم تمام سنی شیعہ علماء و زعماء سے رابطہ پیدا کر کے اجتماعی جلسوں قراردادوں، بیانات اور ٹیلیگرامز کا اتنا طویل سلسلہ باندھتے کہ دونوں حکومتیں غور و خوض پر مجبور ہو جاتی تھیں۔

اس دور کی بات ہے کہ ہم اکثر انہی مرحوم کی زبان سے امام خمینی کا نام سنا کرتے تھے وہ فرماتے تھے کہ آیتہ اللہ بروجردی نے علماء کے سیاسی وقار کو فروغ دینے اور ائمہ مساجد کو مرکزیت دینے کے سلسلہ میں بھرپور کام کیا ہے اور ان کی سوچ بین الاقوامی سطح کی ہے مگر مسلمان سوئے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے اہداف میں اس طرح پیش قدمی نہیں کرپا رہے ہیں جس طرح انہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن ان کے شاگردوں میں آیتہ اللہ خمینی انتہائی زیرک، حساس، باشعور، پختہ فکر، باحوصلہ، شجاع، نڈر اور بے باک مجتہد ہیں وہ حسینی جگر رکھتے ہیں اور مضبوط ارادے کے مالک ہیں اگر آیتہ اللہ بروجردی کے بعد زمام کار ان کے ہاتھوں میں آگئی تو حکومت سے ٹکراؤ نہیں ہوگا بلکہ حکومت کا تختہ الٹے گا انقلاب آئے گا اور اسلام سربلند ہوگا لیکن آیتہ اللہ بروجردی کے بعد مرجعیت کے سلسلہ میں برصغیر میں آیتہ اللہ حکیم رحمتہ اللہ علیہ کا نام سامنے آگیا۔

اس سلسلہ میں ان کی رائے یہ تھی کہ اگرچہ آیتہ اللہ حکیم رحمتہ اللہ علیہ اس صدی کے بہت بڑے فقیہ ہیں اور ان کی سیاسی خدمات بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ ان کو مرجع تسلیم کیا جائے وہ پختہ اور شجاعانہ مانہ سیاسی فکر کے حامل بھی ہیں لیکن صورت حال یہ ہے کہ حوزہ علمیہ قم اس وقت مظلوم ہے اور شاہ ایران کی سیاسی فتح بھی اسی میں ہے کہ مرجعیت قم سے نجف منتقل ہوجائے اور امام خمینی مرجعیت کی صفات رکھنے کے ساتھ ساتھ مظلوم بھی ہیں اس لیے اور دوسرے بہت سے اسباب کی بنا پر اہل اسلام کے لیے ضروری ہے کہ وہ امام خمینی مدظلہ العالی کی مرجعیت کو تسلیم کریں اور فروغ دیں۔

لیکن اس وقت صورت حال کچھ اس قسم کی تھی کہ یہ بات عام حلقے تسلیم نہیں کرسکے اس کے باوجود علامہ مرحوم مختلف طریقوں سے علماء و زعماء کے حلقوں کو امام خمینی کے اہداف و مقاصد اور اقدامات سے باخبر کرتے رہے اور جب امام خمینی نے اپنی مسئولیت کا اعلان فرما کر حکومت کے اسلام دشمن اقدامات کے خلاف آواز بلند کی تو علامہ مرحوم پاکستان خاص طور سے لاہور و اسلام آباد میں ان کے پرچم کو لے کر آگے بڑھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ 1383ء میں محرم کے دن تھے جب 15 افراد کا المناک واقعہ پیش آیا یہ 12 محرم کا واقعہ تھا اور 12 محرم کی شام کو یہ خبر علامہ مرحوم تک پہنچ گئی وہ سراپا سوگ تھے اور فوراً ہی گھر سے رخصت ہوگئے تاکہ بااثر علماء و زعماء کو جمع کرکے اس واقعہ کے خلاف آواز بلند کی جائے۔

یوں بات بڑھتی رہی یہاں تک جب آیتہ اللہ حکیم کی رحلت ہوئی اس وقت وہ یہ فضا ہموار کر چکے تھے کہ لوگوں کو امام کی مرجعیت اور تقلید کی طرف متوجہ کریں اور یہی ہوا کہ علماء لاہور نے ان کے مشورے کے مطابق عوام

کو امام خمینی کی تقلید کی طرف راغب کیا۔

لیکن اس کے ساتھ سفارت ایران کی طرف سے شریعت مدٗری کا پروپیگنڈا شروع ہو گیا جس کو مرحوم بہت خطرے کی نظر سے دیکھتے تھے ان کا کہنا تھا کہ یہ استعمار کی انتہائی خوفناک سازش ہے خدانہ کرے کہ یہ سازش کامیاب ہو ان کا کہنا تھا کہ جمال الدین اسد آبادی دنیا بھر میں مرجعیت تشیع کے نمائندہ کی حیثیت سے اسلام کا پرچم لے کر اسے سربلند کرتے رہے مگر افسوس کہ انہیں کسی نے نہیں پہچانا اور مغرب نے ان پر PAN ISLAMICISM کا لیبل لگا کر ان کی تمام تر مساعی کو تحت الشعاع قرار دے دیا۔ اگر وہ مرجعیت تشیع کے پیغام کو پہچاننے میں کامیاب ہو جاتے اور مسلمانان عالم ان کا ساتھ دیتے تو اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کسی اور انداز سے لکھی جاتی اور مشرق و مغرب کے استعمار کا نام تک نہ ملتا۔

اس طرح آیتہ اللہ شیرازی کے مشہور سیاسی کردار اور ان کے فتوائی تحریم تنباکو کے سلسلہ میں بھی ان کا موقف یہی تھا کہ آقا کا یہ فتویٰ ان کی انتہائی سیاسی لوجھ بوجھ کی دلیل ہے اور ذرائع معلومات کے نہ ہوتے ہوئے اس قدر عمیق نظر کے ساتھ فتویٰ ان کی ملکوتیت و قدوسیت کی واضح دلیل ہے وہ اکثر اس واقعہ کا ذکر کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر ایرانی عوام اور دنیا بھر کے مسلمان آیتہ اللہ شیرازی کے اس فتوے کی گہرائی اس کے اسباب و علل اور نتائج کو پوری طرح سمجھ لیتے تو اس بات کا شمہ برابر امکان نہیں تھا کہ مغربی طاقتیں مسلمانوں پر اپنے تسلط کو برقرار رکھ پاتیں اور مسلمانان عالم اپنی سیاسی بیداری کے ساتھ سیاسی' اقتصادی اور ثقافتی آزادی نہ حاصل کرتے مگر مسلمانوں کی ناواقفیت اور غفلت خاص طور سے سیاسی ناآگاہی نے اس فتویٰ کے اثرات کو وقتی طور پر منجمد کر دیااور بعد کے علماء کو مزید محتاط انداز میں بھرپور محنت وریاضت کرنا پڑی۔

آیتہ اللہ کاشانی رحمتہ اللہ علیہ کےسیاسی کارناموں کے سلسلہ میں ان کا کہنا تھا کہ وہ انتہائی شجاع اور ذہین شخص تھے اور انہوں نے عالمی سطح پر مسلمانوں کے سیاسی شعور میں بیداری کے سلسلہ میں نمایاں خدمات انجام دیں اور انتہائی زبردست کامیابی بھی حاصل کی حضوصاً شاہ کا فرار اور مصدق حکومت کا قیام ان کی زبردست کامیابی تھی ان کا کہنا تھا کہ مصدق کو حکومت انہوں نے اس لیے نہیں دی تھی کہ وہ علماء کو حکومت کا اہل نہیں سمجھتے تھے یا مصدق پر ان کو اعتماد تھا بلکہ مصدق کو حکومت دینے کا مقصد یہ تھا کہ عوام اس کے خائنانہ کردار اور حکومت نیز آزادی کی بقا کے سلسلہ میں اسی کی عدم اہلیت کا علم اور تجربہ حاصل کرلیں تاکہ علماء کی حکومت کے سلسلہ میں موجود رکاوٹوں کا خاتمہ ہو جائے مگر مصدق نے خیانت دکھانے میں بہت جلدی کی اور شاہ دوبارہ واپس آگیا۔ آیتہ اللہ کاشانی شہید تو ہوگئے لیکن انہوں نے آئندہ کے لیے علماء و فقہا کو مزید بہتر اور مضبوط تر انداز میں سوچنے اور منصوبہ بندی کرنے کے لیے ایک واضح تجربہ فراہم کر دیا۔ اس وقت ایران کا عوامی اور بین الاقوامی سیاسی شعور اس سطح کا نہیں تھا کہ شاہ کے فرار کے بعد فوری طور پر علماء و فقہاء کی حکومت کو برداشت کر لیتا اس لیے ان کا یہ اقدام سیاسی طور پر درست تھااور مصدق کی خیانت ان کی

ناکامی پر نہیں بلکہ مسلمانوں کے سیاسی ارتقا کی تاریخ میں ایک بھرپور اور مفید سیاسی تجربہ کے طور پر ان کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

آیتہ اللہ بروجردی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی وہ ایک عظیم المرتبت فقیہ کے ساتھ شاندار سیاسی بصیرت کا حامل خیال کرتے تھے ان کا کہنا تھا کہ آیتہ اللہ بروجردی نے تشیع اور اسلام کو بین الاقوامی سطح پر روشناس کرانے اور بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کے سیاسی و ثقافتی شعور کی بیداری نیز علماء کو تقویت دینے اور ہر میدان میں ان کو برتری اور قیادت کی منزلوں پر فائز کرنے کے لیے انتہائی بصیرت کا ثبوت دیا ہے اور ان کی یہ کوشش عالمی استعمار اور ایرانی حکومت کی نظر میں کانٹا بن کر کھٹک رہی ہیں اسی لیے اب حکومت ایران کے ذریعہ سے استعمار نے قم و نجف کے حوزہ میں سادہ لوح طلبہ کو خریدنے اور اپنے تربیت یافتہ افراد کو مجتہد بنانے کی کوششیں شروع کر دیں ہیں اور اس سلسلہ میں استعمار کی سب سے پہلی کوشش یہ ہے کہ مرکزیت قم کے بجائے نجف منتقل کردی جائے کیونکہ اب ایرانی حکومت کو بہت خطرہ لاحق ہے۔

وہ آیتہ اللہ بروبردی رحمتہ اللہ علیہ اوران کے شاگردوں کے بارے میں بہت وسیع اور عمیق معلومات رکھتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ ان کے شاگردں میں امام خمینی اسلام کے لیے ایک بہت بڑا الٰہی ذخیرہ ہیں وہ ہمیشہ ان کی سلامتی کے لیے دعا کرتے تھے اور اس بات پر افسوس کرتے تھے کہ مسلمان انہیں نہیں پہنچانتے۔

اگرچہ وہ آیتہ اللہ حکیم رحمتہ اللہ علیہ اوران کے خاندان کی سیاسی خدمات اور استعمار کے خلاف ان کی مسلح جدوجہد کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ مراجع میں شاید ہی کسی مرجع کے خاندان نے اتنی طولانی مسلح جدوجہد کی ہو اور ان کے خاندان کی خدمات تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں اور خود آیتہ اللہ حکیم اس صدی کے نہ صرف یہ کہ سب سے عظیم فقیہ اور عالم ہیں بلکہ سیاسی سوجھ بوجھ استعمار کی سازشوں کی باریکیوں کے درک اور ان کے خلاف منصوبہ بندی میں اعلیٰ سوجھ بوجھ کے مالک ہیں لیکن ایک تو یہ کہ اگر مرکز اس حساس وقت میں نجف منتقل ہو جائے تو اسلام اور مسلمانوں کو ایک بڑی پسپائی دیکھنا پڑے گی دوسرے یہ کہ عراق کی سرزمین ابھی تک اسلامی انقلاب کے لیے آمادگی بھی نہیں رکھتی۔

اس کے باوجود ان کا کہنا تھا کہ مصلحت الٰہی نے مسلمانوں کا ساتھ دیا اور آیتہ اللہ حکیم کی مرجعیت اگرچہ انقلاب کی رفتار کو تیز تو نہیں کرسکی لیکن انہوں نے عراق میں کیمونزم کی یلغار کو بری طرح پسپا کیا اور یہ ان ہی کا حصہ تھا۔

امام خمینی مدظلہ کی تحریک کی ابتدا ہی سے وہ اس کو فاتح تحریک سمجھتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ امام کے لہجہ میں ایک ایسی بات ہے جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ وہ کامیابی کی انتہائی بلندیوں کو جلد از جلد چھولیں گے ان کا کہنا تھا کہ امام کی معاملہ فہمی اور منصوبہ بندی کے علاوہ معاملات پر ان کی گرفت اور مستقبل کے بارے میں ان کا حد سے زیادہ

اعتماد اور سب سے بڑھ کر ان کا توکل علی اللہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی طاقت ان کو پسپا نہیں کر سکتی مرحوم کا یہ یقین اتنا تھا کہ انہوں نے انقلاب کی کامیابی سے پہلے ہی تاریخ انقلاب لکھنا شروع کر دی اور اس کا نام آیتہ اللہ خمینی---- قم سے قم تک رکھا جب ان سے پوچھا گیا کہ ابھی تو امام نجف میں ہیں؟ تو انہوں نے کہا کتاب مکمل ہونے سے پہلے انشا اللہ واپس آجائیں گے اور وہی ہوا ابھی کتاب آدھی بھی نہیں ہوئی تھی کہ امام فاتحانہ انداز میں قم واپس آگئے۔

انقلاب کی پہلی کامیابی کے بعد اس کے مختلف مراحل کے بارے میں مرحوم کا خیال تھا کہ امام بڑی مضبوط گرفت کے ساتھ عوام کو سیاسی بیداری اور ملکی نظم و نسق اور آزاد سیاسی و ثقافتی استحکام کی منزلوں کی طرف لے کر آگے بڑھ رہے ہیں اور انتہائی دانشمندی سے خائن افراد کو ذمہ دار عہدے دے کر عوام کے سامنے واضح کر رہے ہیں تاکہ علماء کی حکومت کا راستہ ہموار ہو جائے - مرحوم کے نزدیک بنی صدر کا فرار اور قطب زادہ کی سازش کا آشکار ہونا امام خمینی کی مضبوط پالیسی اور منصوبہ بندی ہی کا نتیجہ تھی۔

ملکی سیاست

اس عمومی سیاسی ڈھانچہ کے دائرے میں وہ ملکی سیاست پر بھی بھرپور نظر رکھتے تھے اور وہ بہت مضبوط سیاسی کردار کے حامل تھے ان کا خیال تھا کہ پاکستان اسلام کے نام پر ضرور بنا ہے مگر مسلم لیگ کی قیادت چونکہ علماء کے ہاتھ میں نہیں ہے اس لیے ملک میں اسلام کا بول بالا ممکن نہیں ہے وہ کہا کرتے تھے کہ تعجب اور بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ ملک میں کوئی سیاسی جماعت ایسی نہیں ہے جس میں کاملاً اسلام اور اسلامی فکر موجود ہو کیونکہ علماء اور فقہاء سیاسی میدان میں نہیں ہیں وہ مولانا مودودی کا بڑا احترام کرتے تھے لیکن کہا کرتے تھے کہ وہ ایک عظیم مسلمان اسکالر ضرور ہیں لیکن فقیہ اور مجتہد نہیں ہیں اسی لیے ان کی فکر میں مغربی سیاست کا بھرپور پیوند نظر آتا ہے اور وہ حالات سے مصالحت کو جہاد پر فوقیت دیتے ہیں۔

ان کا خیال تھا کہ بنیادی طور پر پاکستان میں اسلامی انقلاب کا راستہ بہت ہموار ہے اور عوام کے ساتھ اچھا خاصا دانشور طبقہ اس فکر اور اس انقلاب کے استقبال کے لیے آمادہ ہے لیکن ہمارے پاس فقہاء کی ایسی ٹیم نہیں ہے جو خالص اسلامی افکار کے ساتھ اس انقلاب کی رہبری کرے جس وقت ایسی ٹیم پیدا ہو گئی پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا ہو جائے گا۔

ان کی اسی پختہ سیاسی فکر اور کردار کے سبب ملک بھر کے سیاسی رہنما خواہ وہ دائیں بازو سے تعلق رکھتے ہوں یا بائیں بازو سے ان کا احترام کرتے تھے اور ان کے آراء کو اہمیت دینے پر مجبور تھے وہ ہمیشہ اپنے سیاسی موقف کا اظہار ایسے تاریخی اور تحقیقی دلائل کے ساتھ کرتے تھے کہ ماہر ترین سیاست دان بھی اسے اہمیت دینے پر مجبور ہو جاتا تھا اس

کے ساتھ ساتھ وہ عملی سیاست کی مشکلات پر بھی بھرپور نظر کا اظہار کرتے تھے۔

قومی سیاست

قومی سیاست کے میدان میں وہ مرجعیت کے احکام کے تابع اور اس دور میں حضرت امام خمینی مدظلہ العالی کے زبردست مطیع تھے وہ ہمیشہ سے وحدت اسلامی اور اتحاد بین المسلمین کے علمبردار رہے اور سنی علماء اور مدارس سے ان کے بہت دوستانہ مراسم تھے وہ شیعہ سنی اختلافات کو اسلام دشمنوں کی سازش اور مسلمانوں کی نادانشمندی کا نتیجہ سمجھتے تھے اور ہر سطح پر شیعہ سنی اتحاد کی کوششوں میں سرگرم عمل رہتے تھے حتی کہ اہل حدیث علماء اور مدارس بھی ان کا احترام کرتے اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے تھے۔

وہ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح سیاسی قیادت ایسے علماء کے ہاتھ میں آجائے جو مرجعیت کی تابع اور اس کے فرمان کے مطیع ہوں ان کا خیال تھا کہ قوم نے اس منزل کی طرف اچھی خاصی پیش قدمی کی ہے۔

سیاسی مخالفین

وہ ہر میدان میں منفی رجحانات، نفرت، دشمنی اور الزام تراشی کے سخت مخالف تھے انہوں نے کبھی بھی اپنے مخالف خواہ وہ سیاسی ہی کیوں نہ ہو کے خلاف محاذ آرائی نہیں کی ان کا کہنا تھا کہ ہمارا کام اپنے موقف کی وضاحت اور اس پر عمل کے لیے تگ و دو ہے اگر ہم مخالفوں کے جواب میں مصروف ہو جائیں تو نہ صرف یہ کہ ہماری توانائی ضایع ہوگی بلکہ دشمن کو تقویت ملے گی اور اس کا مقصد آگے بڑھے گا کیونکہ دشمن لڑاو اور حکومت کرو کے اصول پر آگے بڑھ رہا ہے۔

مولانا مرتضیٰ حسین مرحوم کے جد امجد میر عبداللہ تحیر مرحوم کی منقبت

اللہ کی طرف سے ہے مشکل کشا علیؑ　　ہے جملہ کائنات کا حاجت روا علیؑ
ہر امر میں ہے قدرت رب علا علیؑ　　کیونکر کہے نہ قوم نصیری خدا علیؑ
رکھتے ہیں اختیار فناوبقا علیؑ

خلقت علیؑ ولی کی ہے آدم سے پیشتر　　لکھا ہے حق نے نام علیؑ آپ عرش پر
ہر اک نبیؑ کے واسطے حیدر ہوئے سپر　　احسان مرتضیٰ سے بچا کون سا بشر
مثل نبیؐ ہیں حاکم ارض و سما علیؑ

بن میں بچایا شیر سے سلماں کو جس طرح　　انگشتری عطا کی سلیماںؑ کو جس طرح
بخشی رہائی یوسفؑ کنعاں کو جس طرح　　آساں کیا ہے نوحؑ پہ طوفان کو جس طرح
میرے بھی ہو جئے یونہی حاجت روا علیؑ

عیسیٰؑ کو آسمان پہ تم نے چڑھا دیا　　موسیٰؑ نبیؑ کے ہاتھ میں دی مشعل ضیا
یونسؑ رہے نہ پیٹ میں ماہی کے مبتلا　　کچھ کر سکی نہ آتش سوزاں خلیلؑ کا
میرے بھی ہو جئے یوں ہی مشکل کشا علیؑ

سائل تمہارے در سے نہ خالی پھرا کبھی　　بخشی قطار تم نے اسے ستر اونٹ کی
پیدا کیا خدا نے نہ تم سا کوئی سخی　　میرا بھی اب سوال ہے سن لیجئے ذری
تقصیر ہو معاف برائے خدا علیؑ

کس کس سے میں نے جاکے نہ فریاد کی شہا　　مشکل کا میری ایک سے عقدہ نہ حل ہوا
حلال مشکلات کوئی ہے ترے سوا　　مشکل کے وقت تو نے ہی سب کو بچالیا
میری کمک بھی ہو بخدا مرتضٰی علیؑ

دشمن کا پاس ہے اگر اے نائب رسولؐ　　اس واسطے دعا میری ہوتی نہیں قبول
فریاد لے کے جاوں میں تا روضہ رسولؐ　　اٹھواؤں سعی بنت نبیؐ سے میں دل ملول
لونگا تمہیں سے داد میں یا مرتضٰی علیؑ

بہر رسولؐ پاک خبر لو مری شہا　　پہنچو مدد کو میری پے بنت مصطفٰے
صدقہ حسنؑ کا اور تصدق حسینؑ کا　　لو دشمن قوی سے مری آبرو بچا
زین العبا کے واسطے یا مرتضٰی علیؑ

صدقہ امام باقرؑ و جعفرؑ کی روح کا　　ہو جلد مجھ غریب کی عرضی ملاحظہ
بہر امام کاظمؑ و بہر شہ رضاؑ　　بھجوایئے نجف سے مرے درد کی دوا
بہر نقیؑ برائے تقیؑ مرتضٰی علیؑ

فریاد رس غریب کے ہو بہر عسکریؑ　　گھیرے ہوئے ہے شاہ مجھے دشمن قوی
جاتی ہوئی بچایئے عزت غریب کی　　بہر امام مہدیؑ دیں مرتضٰی علیؑ
بہر خدا وبہر رسولؐ خدا علیؑ

ہر روز کا یہ اٹھ نہیں سکتا غم و الم　　دشمن تو کیا کہ دوست بھی کرنے لگے ستم
یا رب معاش سے تو کمر ہوگئی ہے خم　　گردش سے اب تو ہند میں نکلتا نہیں قدم
بلوایئے نجف میں تحیر کو یا علیؑ

**

بیگم طلعت بیدہ
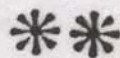
فاضل مرحوم کے اشعار

آیتہ اللہ العظمیٰ سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل قدس اللہ سرہ ادبی اور قلمی دنیا میں فاضل لکھنوی کے نام سے مشہور ہیں۔ مرحوم آسمان علم و ادب کے درخشاں آفتاب ہیں۔

انہوں نے مذہب، ادب، تاریخ، ثقافت، نیز انسانی فلاح و بہبود کے مختلف شعبوں میں تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے۔

مرحوم پر جو کچھ لکھا جائے کم ہے۔ مگر میں اس وقت ان کے بارے میں کچھ نہیں لکھ رہی ہوں۔ اس وقت میں ان پر تحقیق کرنے والوں کے لئے ان کے شعری کلام کا کچھ حصہ تاریخی ترتیب سے پیش کر رہی ہوں۔ محققین اس سے ان کے محاسن کلام کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ "ہمارے قطعے" کے نام سے اپنی ایک یادداشت میں انہوں نے اپنے چند قطعات تحریر فرمائے ہیں جو بہ ترتیب سنین یوں ہیں:

حضرت علیؑ

یہ غل کیسا ہے؟ اور اتنا سہانا کیوں ہے یہ منظر!
یہ فواروں کے ہاتھوں کیوں لٹائے ہیں حسیں گوہر
زمیں سے آسماں پر کیوں چڑھی جاتی ہیں یہ بیلیں
میں سمجھا! صاحب معراج کی گودی میں ہیں حیدر!

امام حسینؑ

مثال دیدہ صد انتظار ہے کونین!!
بشر کے قلب تپاں کو بھی مل رہا ہے چین
زمین سے تابہ فلک صف بہ صف کھڑے ہیں ملک
فضائے عالم امکاں میں آرہے ہیں حسینؑ!

امام زمانہؑ

نقاب رخ الٹ دو زندگی اب ہو گئی بھاری
دکھائیں ہم بھی آخر آج تو اپنی وفاداری

نظر میں منظر طور کیسی پھر سے آجائے
جو نور مہدی دیں کی جہاں میں ہو ضیا باری

گنہ گار مجھ کو بھی ٹھہرانے والے
کہوں گا جب آئیں گے پاس آنے والے
فرشتو! ہٹو! میں ہوں مداح مہدی!!
بڑے آئے دوزخ میں لے جانے والے!

جنون عشق میں بھی احترام کرتا ہوں
اسی طرح دل وحشی کو رام کرتا ہوں
گھڑی گھڑی ترا نام آتا ہے زباں پہ مری
گھڑی گھڑی تجھے اٹھ کر سلام کرتا ہوں

اپنے قلمی سفر نامہ میں انہوں نے اپنے سفر حج و زیارات کے موقعہ پر مکہ مکرمہ میں کہے ہوئے کچھ اشعار شکرانہ تحریر فرمائے ہیں جو یہ ہیں :

شکر باری

ہر قدم پر حمد خلاق جہاں کرتا ہوا — رحمت خالق سے منزل کی طرف بڑھتا رہا
بحر و بر کو دیکھتا دشت و جبل ہوتا ہوا — حسن نیت کے کرشمے رحمت رب علا
کاظمین و کربلا شہر نجف اور سامرہ — حضرت زینبؑ کا روضہ مشہد شاہ رضا
جس جگہ جو کچھ طلب میں نے کیا مجھ کو ملا — دامن مقصود میرا موتیوں سے بھر گیا
حج کی خواہش تھی خدا نے اس کو پورا کر دیا — مکہ و بیت خدا دیکھا کیا شکر خدا
چشمہ رحمت پہ پہنچا آب زمزم پی لیا — سرور عالم کے شہر پاک کی جانب چلا
گنبد خضرا پہ نور طور کو دیکھا کیا — دل میں نور پاک سرور سے اجالا ہو گیا
رتبہ معراج پایا فاضل شیریں نوا — خانہ کعبہ میں آکر شکر کا سجدہ کیا

اس کے علاوہ مرحوم نے غزل نیز عربی زبان میں بھی نظمیں اور مراثی قلمبند فرمائے ہیں جن پر انشاء اللہ کسی اور موقعہ پر گفتگو ہو گی۔

سیّد ظہور حیدر جارچوی

انا اللہ وانا الیہ راجعون

بیاد جناب مولانا سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل لکھنوی رحمتہ اللہ علیہ

قطعہ تاریخ برائے لوح مزار

عاشق فاتح حنین　لے گئے خانداں کا چین
صدر الافاضل اہل علم　آپ تھے مرتضا حسین

تعزیت نامہ

عالی حسب بلند نسب مرتضیٰ حسین
صدر الافاضل اہل قلم قادر الکلام
سادہ مزاج صادق الاقرار و غمدار
سنجیدگی سے کرتے تھے تردید بد زباں
جس میں علاج روح بشر کامیاب ہے
دست طمع دراز وہ کرتے تو کس لئے
اولاد نیک چھوڑ گئے ہیں بافتخار
روتے رلاتے رہتے تھے یاد حسین میں
موجود تھے مدد کیلئے ان کی بوتراب
پردہ اٹھا کے دیکھ لیں مہدی دیں کے پاس
تاریخ بست و ہفت تھی حج کے مہینے کی
انیس سو ستاسی تھا تیئیس اگست تھی

فردوس میں ہیں محو طرب مرتضیٰ حسین
منبر نشین بزم ادب مرتضیٰ حسین
مہماں نواز تابع رب مرتضیٰ حسین
نا آشنائے غیظ و غضب مرتضیٰ حسین
اچھا چلا گئے وہ مطب مرتضیٰ حسین
پائے ہوئے تھے دولتیں سب مرتضیٰ حسین
ذیقدر نازش جدواب مرتضیٰ حسین
آج آپ ہیں بقا کا سبب مرتضیٰ حسین
اترے تھے اپنی قبر میں جب مرتضیٰ حسین
زندہ دلوں سے دور ہیں کب مرتضیٰ حسین
وخصت ہوئے جو دے کے تعب مرتضیٰ حسین
سوئے ارم رواں ہوئے جب مرتضیٰ حسین

جب گلشن بہشت میں جاؤ گے تم ظہور
کھل کر گلے لگائینگے تب مرتضیٰ حسین

***

وصی الحسن نقاش

مولانا مرتضیٰ حسین قبلہ و کعبہ کی یاد میں

اس لیے دل سے لگا رکھا تھا
وہ کتابوں میں مری سچا تھا

اس سے باقی تھا صداقت کا بھرم
جو بھی تھا اس سے الگ جھوٹا تھا

وہ تھا بیگانہ تخم نفرت
وہ تو الفت کا شجر بوتا تھا

دیکھا اسمیں نہ تضاد آدم
جو وہ کرتا تھا وہی کہتا تھا

وہ ادب کا تھا نمونہ ایسا
اسکے چلنے سے ادب چلتا تھا

موت سے اسکی کھلا ہے مجھ پر
کتنا وہ ذوق سفر رکھتا تھا

اسکا مرنا ہے قیامت انکو
جن کو وہ رزق ہنر دیتا تھا

اسکا کچھ غم نہیں مجھکو نقاش
وہ تو اوروں کے لیے جیتا تھا

*

قطعہ تاریخ وفات حسرت آیات جناب علامہ سید مرتضیٰ حسین نقوی صدر الافاضل

کرنل نواب عالم

بڑی جلدی سوئے جنت سدھارے — جناب مرتضیٰ نقوی ہمارے
ہمیں چھوڑا جہاں علم چھوڑا — قلم قرطاس کے رشتے کو توڑا
خطیب و عالم و فاضل محقق — رہا تا زندگی لکھنے کا عاشق
ادب پر آتش و غالب پہ لکھا — علی ابن ابی طالب پہ لکھا
لکھی سیرت محمدؐ مصطفیٰ کی — دعائیں ترجمہ کیں مرتضیٰؑ کی
قلمرو میں رہے تاریخ و سیرت — مراثی و لغت شعری بصیرت
کتابوں میں نمایاں نام اس کا — بہت تصنیف کا ہے کام اس کا
بتاریخش زغیب ہاتف ندا داد — مبارک فاضل نقوی ترا باد
جوار مرتضیٰ زیں سعی حاصل — ادیب و عالم و صدر الافاضل

١٩٨٧ء

نیساں اکبرآبادی

قطعۂ تاریخ

مولانا مرتضیٰ کے فضائل میں کیا لکھوں
عالم، خطیب، شیفتۂ شاہِ مشرقین

ان کو ملائکہ نے کہا ہے خوش آمدید
"حیدر کے پاس پہنچے جو یہ مرتضیٰ حسین"

١٩٨٧ء

*

دکتر محمد حسین تسبیحی 'رہا'

قطعه تاریخ وفات سیّد مرتضی حسین صدرالافاضل لکهنوی

۱۳۶۶هش = ۱۴۰۷ه ق = ۱۹۸۷م

شنیدستم که رفت آن مرد فاضل
سوی دارالجنان صدرالافاضل
کلام و وعظ او داروی دل بود
به علم و فضلِ او بودیم مایل
محبِّ اهل بیت و عاشق دین
شناسای همه، دانا و عاقل
مقامِ او مُغل پُوره به لاهور
قبول مردمان اندر خصایل
همانندی نبود او را به دوران
به یاران حسینی بود شامل
هم او غالب شناس پاکبازان
هم او ایران شناس اندر مسایل
به عشق مردم و خدمت به مردم
ندیدم بهتر از او مرد کامل

همیشه در رَهِ حقّ جست و جو کرد
نترسید از کسی وز فکر باطل
چو آثارش بخوانی ای خردمند
فرستش رحمتِ حَقّ ازته دِل
بُوَد 'روضات' تاریخش به قمری = ۱۴۰۷
که قرآن مبین بودش حمایل
گر از تاریخ شمسی باز جویی
شده 'لوح جبین صدرالافاضل' = ۱۳۶۶
'حسین مرتضی سالار کعبه' = ۱۹۸۷
به تاریخ مسیحی بست محمل
'رہا' پیوسته با اوهمسفر بود
که او بود از بزرگانِ اوایل

قطعہ تاریخ بروفات مولانا مرتضیٰ حسین فاضل

ساجد زید پوری

عالم دین فاضل طینت

رہبر دین مصطفیٰ لکھدو

بہر سالِ وفات اے ساجد

زیب جنت ہیں مرتضیٰ لکھدو 1407

ہے تو چمن مگر وہ بہار چمن نہیں   یا رب خزاں نصیب نہ ہو لکھنؤ کہیں

تھے علم و فن کے گوہر نایاب اس جگہ   ارباب علم آج ہیں کمیاب اس جگہ

فاضل اسی زمین کا تھا در شاہوار   باقی تھا جس کے دم سے بہت علم کا وقار

سلطانیہ سے کسب کیا علم دین کا   سب کو سبق پڑھا دیا شرع متین کا

علم و ادب میں اسنے بڑا کام کر دیا   علمی خزانہ اپنی کتابوں میں بھر دیا

علمی خزانہ دے کے وہ ذیشان اٹھ گیا   جاری ہے فیض منبع فیضان اٹھ گیا

ساجد لکھو کہ خوش ہوں وہ پائیں سکون، چین

جا کے جناں میں نزد علی مرتضیٰ حسین

1987

معاصرین کی آراء

مالک رام

سید مرتضیٰ حسین فاضل مرحوم

سید مرتضیٰ حسین فاضل کا 23- اگست سال گذشتہ لاہور میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔ یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں جس پر تعجب ہو کل من علیہا فان۔ موت بنی آدم کی میراث ہے ہم میں سے ہرایک' جلد یا بدیر' اسی منزل کی طرف جارہا ہے۔ افسوس پس ماندگان کو ہوتا ہے کہ وہ مرنے والے کی خوبیوں اور مہربانیوں سے محروم ہو گئے اس کے علم و فضل سے استفادے کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ہم آج فاضل مرحوم کا ماتم کر رہے ہیں تو اس کی یہی وجہ ہے۔

وہ لکھنؤ کے ایک علمی اور دینی گھرانے میں پیدا ہوئے چونکہ انھیں دینی عالم بنانا مقصود تھا' اس لئے ان کی تعلیم عربی سے شروع ہوئی اور اس میں انھوں نے منتہی کا درجہ حاصل کیا۔ تقسیم ملک کے بعد وہ پاکستان منتقل ہوگئے۔ ان کا قیام زیادہ تر لاہور میں رہا۔ وہ دینی مجالس اور مذہبی تقاریب کو خطاب کرتے اور اپنے علم و فضل سے لوگوں کو مستفیض فرماتے رہے لیکن خدا کی شان کہ آج ان کا نام زیادہ تر اپنی ادبی خدمات کے باعث زندہ ہے اور ادب اردو کا مورخ اسی حیثیت سے انھیں یاد رکھے گا۔

علمی تحقیق اور ترتیب و تدوین متون بڑا جان لیوا مشغلہ ہے۔ لکھنے والا راتوں کی نیند حرام کر کے اور مدتوں آنکھوں کا تیل ٹپکا کر ایک چیز تیار کرتا ہے لیکن اسے اس کا صلہ کیا ملتا ہے۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں' بیگانے بھی ناخوش! جسے اس کا چسکا لگ جائے وہ لوگوں کی داد یا بیداد سے بے نیاز اپنا کام کئے جاتا ہے۔ اسے اس کی پروا نہیں ہوتی کہ کون خفا ہوتا ہے اور کون ناخوش۔

نہ ستائش کی تمنا' نہ صلے کی پروا

فاضل مرحوم بھی اسی وضع کے بزرگ تھے - انھوں نے بعض مشہور مصنفین کے متون مرتب کئے کچھ لوگوں نے اس پر لے دے بھی کی' کیڑے بھی ڈالے لیکن اپنی دھن کے پکے' وہ اپنے کام میں لگے رہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ اتنا کام کرگئے - اور وہ بھی کس معیار کا آج اردو کا کوئی طالب علم اس سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔

لیکن علم و فضل اور تصنیف و تالیف------ یہ سب اکتسابی چیزیں ہیں۔ کوئی شخص بھی محنت کرئے اور استقلال سے ان کے حصول کی تگ و دو میں لگا رہے تو وہ جلد یا بدیر کسی نہ کسی درجے میں یہ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن ایک بات ایسی ہے جس میں " زور بازو " کچھ کام نہیں دیتا' یہاں صرف " خدائے بخشندہ " کی بخشش اور اس کا

فضل و کرم ہی مفید ہوسکتے ہیں۔ اسے ہم ایک لفظ میں انسانیت کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایک لفظ جتنی خصوصیات کو محیط ہے اور اس کی جتنی شاخیں ہیں، اور اس کا ظہور قول و فعل میں کس کس طرح ہوتا ہے وہ اصحاب علم سے مخفی نہیں۔ ہم میں سے ہر ایک آدمی ہے کیونکہ آدم کی اولاد ہے لیکن ہم میں سے انسان کتنے ہیں؟ اسی لئے شاعر نے کہا تھا:

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

"جن لوگوں کو فاضل مرحوم سے ملنے کا ان سے معاشرت اور معاملہ کرنے کا اتفاق ہوا وہ اس کے گواہ ہیں کہ وہ بحیثیت انسان بھی بہت بلند تھے۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ۔

TO
Syed Hussain Murtaza
I-G, 2 / II, Nazimabad
Karachi - 74600
Islamic Republic of Pakistan

30/12/95
Dr. Eberhard Serauky
Tel. 9329370
Friedenstr. 39
Ahrensfelde
16356 Germany.

Dear Sir :

First of all I thank you very much of your valuable books which I got with the help of the German State Library on 22/12/1995. Unfortunately before that date I did not receive any other books from you by post or any person in Berlin. My name, address and telefon number is easily to find here in the telefon book, but nobody contacted me before 18/12/1995. But I remember these two days November 7 and 8/1991, when I had the pleasure to meet you and your family in Berlin. Unfortunately it was during your last visit here impossible to meet us again; but I hope in future perhaps there will be a chance.- Meanwhile I got an impression of the contents of your very important books. Your father's book is really a treasure, because here in Germany is no clear picture of the Shi'a thinking and writing in the indo-pakistan subcontinent. One of the best scientists in German orientalism, C. Brockelmann (1868 - 1956), was the last who tried to give in his famous "Geschichte der Arabischen Literatur", 1937 - 1949 Leiden, 5 Volums (History of the Arabic Literature) a few short lines about the shi'a Literature in India. But with the book of your father we have to correct him in special details. He mentioned for instance the famous Ibrahim Han b. Abdallah Wardi Han (S II, S . 608); about him we find the facts in your father's book on page 41 under the name Ibrahim Han Nawwab. First we see here the correct time of his death (1709). Brockelmann gives only thetime between 1707 and 1712. Secondly writes brockelmann that the famous book of Ibrahim Han "al - Bajad

al - Ibrahimi" has 7 volumes, but in your father's book we find in short words the contents of the volumes. (Page 42) There is an other of his works about fiqh, too. -Until now I did not find in the book of your father Muhammad Afaddadin al-Husaini who died about 1190/1776 with his al-Matalib Husainija . But I think it is only a question of time to find him.- Also the famous Prof. Annemarie Schimmel, I think she is well-known in Pakistan, is generally more interested in islamic Mystics than in Shi'a thought and faith. On the other side she translated Muhammad Iqbal . In the scientific books she published in Germany only small references about Shi'a religion can be found. So we see in the book "Der Islam im indischen Subkontinent" (1983).Only page 19 seq. a few words about the general Shi'a names in Indian. No scientific writer or Faqih of the Shi'a is mentioned here. In her "Islam in India and Pakistan" (1982) only the Muharram procession in Lucknow and Jhang presents the whole Shi'a of the Subcontinent. Thet means, that here in Germany theknowledge about the shi'a religion in India and Pakistan, its history and present, is very limited. The normal German student and scientist on the field of Indologie know much about the classical indian culture and languages, but the islamic culture they regard as a strange part of the history. Therefore I wrote in my "History of Islam" a chapter about the Islamic period in India. I mentioned the growing Shi'a influences in Moghul-time and later on. (page 320 seq.) And i worte about the Isma ilija in Yemen (9 - 13 cent.) which later extended its influence to west-India. I will do my best to spread this valuable knowledge collected by your father here. Your book on Shi'a traditions and the book of your wife about fatwas of Ajatullah Hamina i are very interesting; they give a living picture of the Shi'a thinking in former and present time.Just I wrote an article about the scientists of sunnit traditions in the Middle Ages. I found on that occasion in the important work "al-Ansab" of as-Sam ani (d. 1167) that he includes some Shi'a specialists of tradition, too. I 'II send to you a copy of the article when it is published next year. Are you interested in special books or other publications of Germany? I'II do my best to fulfil your wishes.

For the new year 1996 my wife and I wish you and your family all the best, health, success and good luck.

Yours sincerely

Dr. E. Serauky

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی

ڈاکٹر عبادت بریلوی

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل ایک عالم دین بھی تھے اور ایک ادیب محقق اور نقاد بھی انھوں نے اپنی ساری زندگی علم و ادب کی خدمت میں گذاری اور مختلف موضوعات پر ایسی قابل قدر کتابیں شائع کیں جو اردو ادب میں بلند مقام رکھتی ہیں۔

فاضل صاحب سے میری ملاقات آج سے تقریباً پینتالیس سال قبل لکھنؤ میں استاد محترم پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب کے دولت خانہ پر ہوئی میں اتوار کو صبح ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اور ان کی دلچسپ اور عالمانہ باتوں سے استفادہ کرتا تھا۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل صاحب بھی اکثر وہاں تشریف لاتے تھے۔ وہیں ان سے میری ملاقات ہوئی اور بہت جلد ہم ایک دوسرے کے بہت قریب ہوگئے مولانا کی جو باتیں مجھے پسند آئیں وہ ان کی وضعداری تہذیب اور شائستگی تھی۔ وہ لکھنوی تہذیب کا ایک مثالی نمونہ تھے۔

مولانا کی اس وضع داری تہذیب اور شائستگی میں مرتے دم تک کوئی فرق نہیں آیا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ لاہور آئے اور تقریباً چالیس سال انھوں نے یہیں گذارے لیکن ان کی وضع قطع وہی رہی جو یہاں آنے سے قبل لکھنؤ میں تھی۔ مولانا ہمیشہ لکھنوی طرز کا ذرا بڑے پائینچوں کا پاجامہ پہنتے تھے اس پر لکھنوی انداز کی سلی ہوئی شیروانی جس کے تمام بٹن گرمیوں میں بھی بند رہتے تھے۔ یہ لکھنوی وضع داری کا خاص انداز تھا جس کو مولانا نے کبھی نہیں چھوڑا۔

اس زمانے میں اتوار کو چھٹی ہوتی تھی مولانا مغل پورہ میں قیام پذیر تھے لیکن چھٹی والے دن سمن آباد ضرور تشریف لاتے تھے اور پہلے میرے غریب خانے پر کچھ وقت گذارتے تھے پھر پروفیسر سید وزیرالحسن عابدی صاحب مرحوم اور دوسرے احباب کے ہاں جاتے تھے۔ ان کی گل افشانئ گفتار کا عالم دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا

مولانا ہم لوگوں سے زیادہ تر ادبی موضوعات پر باتیں کرتے تھے غالب ان کا خاص موضوع تھا۔ غالب پر ان کی معلومات قابل رشک تھیں انھوں نے غالب کی کئی تصانیف کو بڑی محنت اور سلیقے سے مرتب کیا۔ ویسے دوسرے اردو اور فارسی شاعروں سے بھی انھیں دلچسپی تھی اور وہ ان کی شاعری کے بارے میں نہایت دلچسپ باتیں کرتے تھے۔

مولانا کا زیادہ وقت علمی ادبی کاموں میں گذرتا تھا انھوں نے اپنی زندگی کا اک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ایسی تصانیف چھوڑی ہیں جن سے ادب سے دلچسپی لینے والے ہمیشہ ہمیشہ استفادہ کرتے رہیں گے

*

مولانا فاضل

ڈاکٹر وحید قریشی

مرتضیٰ حسین فاضل میرے عزیز ترین دوستوں میں سے تھے ان کا دائرہ خاص تو دینی تحقیق و تدوینی رہا جس کے اعلےٰ نمونے دائرہ معارف اسلامیہ کی جلدوں میں محفوظ ہیں ادب میں بھی ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا خصوصاً غالب میں انھوں نے تحقیق کا جو معیار پیش کیا اس سے ہمیشہ غالبیات کے محققین فائدہ اٹھاتے رہیں گے

*

خواجہ محمد زکریا
صدر شعبہ اردو
پنجاب یونیورسٹی اورنٹیل کالج لاہور

مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی ایک نامور علمی ادبی شخصیت تھے ان کی کتابی تصنیف پر تر تو کوئی عالم دین ہی بہتر رائے کا اظہار کر سکتا ہے مگر ان کی ادبی کاوشیں میرے خیال میں ناقابل فراموش ہیں جن سے میں اور میرے جیسے ادب کے دیگر قارئین استفادہ کر رہے ہیں اور برابر مستفید ہوتے رہیں گے۔ غالب کے ساتھ محمد حسین آزاد کے مکاتیب کو انھوں نے جس سلیقے محنت اور محبت سے مرتب کیا ہے نہایت قابل قدر حواشی کے اضافے سے شائع کرایا ہے وہ ایسے نہیں کہ جن سے اردو ادب کا کوئی باذوق قاری صرف نظر کر سکے مولانا فاضل عالم دین ہونے کے باوجود بہت سادہ رواں اور دلنشیں نثر لکھتے تھے اور فارسی و عربی تراکیب سے عبارت کو گرانبار نہیں کرتے تھے ہمیں مولانا فاضل کی علمی و ادبی خدمات کو کھلے دل سے خراج تحسین ادا کرنا چاہیے

(احمد ندیم قاسمی)

محترم سید مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی دور حاضر کے محققین میں ایک باوقار مقام رکھتے تھے ان کی علمی سرگرمیاں متنوع تھیں مگر مجھے ان کے صرف اس پہلو سے تعارف حاصل ہے جو علمی و ادبی تحقیق سے متعلق تھا اس سلسلے میں انھوں نے اپنی مرتبہ کتابوں پر جو مقدمے لکھے انہیں بلاشبہ اردو تحقیق و تنقید کے روشن باب قرار دینا چاہیئے مجلس ترقی ادب سے ان کا رشتہ اس وقت سے تھا جب سید امتیاز علی تاج مرحوم اس کے ناظم تھے پھر پروفیسر حمید احمد خاں کے دور نظامت میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور میں نے بھی بحثیت ناظم ان سے متعدد بار رہنمائی حاصل کی۔

*

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل

ڈاکٹر آغا سہیل

مولانا کا نام آتے ہی ذہن میں دو باتیں ابھرتی ہیں ایک تو یہ کہ مابعد الطبعیاتی منہاج پر وہ ایک مذہبی آدمی تھے واعظ تھے مفسر تھے اور عالم دین تھے لیکن اس سے زیادہ ادب کے ایک طالب علم کے لئے ان کی دو حیثیتیں قابل لحاظ ہیں ایک تو یہ کہ وہ ماہر غالبیات تھے عربی زبان اور ادب پر ان کی گہری نظر تھی اور غالب کو اسی نقطہ نظر سے دیکھتے اور سمجھتے تھے ان کی دوسری حیثیت یہ تھی کہ وہ لکھنؤ کے ایک ایسے طبقے سے تعلق رکھتے تھے جس کی ثقاہت مسلم ہے عوام الناس میں بولی جانے والی زبان اور ہوتی ہے اور علما اور مفکرین غیر ثقہ اور غیر مستند زبان محاورہ اور روزمرہ استعمال نہیں کرتے ثقات فرنگی محل اور ثقات کڑہ ابو تراب خاں کی زبان ثقاہت اور سند کو اہل دھلی نے بھی تسلیم کیا جس میں غالب سرفہرست تھے تاہم یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ثقات فرنگی محل اور ثقات کڑہ ابو تراب خاں کے علما کی اردو زبان پر معرب و مفرس الفاظ کا غلبہ تھا جس کی رسائی عوام الناس تک کم ہوتی تھی مگر اس سلسلے میں ایک مضبوط دلیل یہ دی جا سکتی ہے کہ بین الاقوامی انگریزی زبان ساری دنیا میں لکھی پڑھی اور بولی جاتی ہے مگر مستند لب و لہجہ بی۔بی۔سی کے اناونسر کا مانا جاتا ہے حتیٰ کہ خود ہمارے معاشرے میں پطرس بخاری کے انگریزی لب و لہجے کو سند مانا گیا ایک بات اور بھی ملحوظ رہے کہ پند و نصائح اور وعظ میں ثقات کی زبان کو مان لیا جاتا ہے مگر اس سے ہٹ کر جب ضبط تحریر میں آتی ہے تو اس میں بہت سے نقائص نظر آتے ہیں۔

مولانا نے غالبیات میں مہارت حاصل کر کے اپنی فکری جہت کو واضح کیا اور یہ بتایا کہ غالب کے فن کی تفہیم کے ضمن میں غالب کے ترقی پسند شعور کو سمجھنا ضروری ہے اصل میں غالب کی شخصیت اور فن میں سنگ میل کلکتے کا سفر ہے جس سے ان کا ذہنی افق یکسر تبدیل ہو گیا اور اس میں تفکر اور تعقل کے عناصر شامل ہوئے یوں تو طرز بیدل میں ریختہ لکھنے والے نے شروع ہی سے فکر اور عقل کو اپنا رہبر مانا ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ فارسی شعر و ادب کی طرف ان کا رجحان تبدیل ہو گیا لیکن کلکتے کے سفر نے اس نظریے میں مزید ترمیم کی اور وہ اردو زبان و ادب کے سہل ممتنع سے رجوع ہوئے لیکن ان کے شعور اور آگہی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا یہی وجہ ہے کہ ذوق اور محمد حسین آزاد کی بجائے حالی کی طرف متوجہ ہوئے جو ترقی پسند نظریہ رکھتے تھے۔ محمد حسین آزاد ذوق کے شاگرد تھے اور ان کا شعر و ادب میں نظریہ جذبۂ خیال اور وجدان پر مبنی تھا اگرچہ خواجہ الطاف حسین حالی کی فکر کے بننے میں غالب کے فن کی

تفہیم شامل ہے لیکن اس کے خدوخال اجاگر ہونے میں دھلی کالج کے پروفیسر رام چندر کے زیر ادارت شائع ہونے والے علمی اور ادبی مجلوں کو بھی دخل ہے۔ ازاں بعد لاھور کے ایک علمی اور ادبی دارالترجمہ سے بھی حالی نے فائدہ اٹھایا مگر مغربی ادب تک براہ راست نہ حالی کو رسائی تھی نہ مولانا کی انہوں نے جو کچھ بھی حاصل کیا وہ عربی اور فارسی کے عسیر الحصول ماخذ سے غالب سے اور شیفتہ سے بعدہ سر سید احمد خاں کی تحریک نے ان کے اصلاحی نظریہ کو تقویت پہنچائی۔

چنانچہ مولانا کے یہاں بھی کم و بیش یہی سلسلہ قائم ہے اگرچہ وہ کٹر ابو تراب خاں سے تعلق رکھتے تھے لیکن ثقات فرنگی محل اور ثقات کٹرہ ابو تراب خاں کے کٹھ ملاوں سے انہوں نے ذہنی تعلق نہیں رکھا اور اپنی نہج الگ بنائی جس میں ان کا رہبر اول غالب ہے اس تناظر میں مولانا کی اردو و فارسی اور عربی تصانیف کو سمجھا جائے اور دیکھا جائے تو بہت سے پہلو نمایاں ہوں گے۔

*

عقیل الغروی
مدیر ادبی کائنات دھلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیت اللہ علامہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی

ایک جہان علم اور ایک عالم ادب کا نام تھا۔ مرتضیٰ حسین نام لقب سید شرف نسبی تخلص فاضل جوہر ذاتی کا آئینہ دار تھا۔ 18 ذی الحجہ 1341ء ہجری مطابق 1 اگست 1923ء عیسوی کو شہر علم و ادب لکھنؤ میں آنکھ کھولی وہیں تعلیم و تربیت پائی جملہ تعلیم قدیم مدرستی طرز پر ہوئی فروغ طبع خداداد تھا کسب فیض میں کوئی دریغ نہ تھا عربی و فارسی ادبیات پر خوب دست رس حاصل کی ہم چشموں میں ممتاز ہوئے

مبدا فیض نے تحریر کے ملکات تقریر سے زیادہ ودیعت کیے تھے چنانچہ دنیا کی سماعت کو بہت کم محفوظ فرمایا اس کی آنکھ میں نور زیادہ بھرا تہذیب و تاریخ شعر و ادب اور دین و سیاست کے گوناگوں عنوانات پر کامل تحقیق و بصیرت کے ساتھ قلم اٹھایا اور تین سو سے زاید کتابیں یادگار چھوڑیں۔

علم و فن کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق سے بھی شخصیت ملا مال تھی متانت کا ایک معیار تھی لیکن ـــــــ تمام سرمایہ ذات اور سامان فکر و ہنر پر دیانت اور تواضع کی ایسی گہری چھاپ تھی کہ دنیا شخصیت اور کارناموں کی اصل آب و تاب اب تک تو پہچان نہیں سکی ہے۔

کتابستان فاضل سے اصحاب دین و دانش کے لیے سیرت رسولؐ و آل رسولؐ پر خطیب قرآن اور تفسیر و حدیث و فقہ کے عنوانات پر متعدد انتخاب کلورجہ رکھتی ہیں اور غالبیات پر ان کا سرمایہ تحقیق چشم ادب کا نور ہے
27 ذی الحجہ 1407ء ہجری مطابق 23 اگست 1987 عیسوی کو گہوارہ تہذیب و تصوف نےلاھور میں دار فنا سے آنکھیں موڑلیں اور مقبرہ شاہ کمال میں مدفون ہوئے
اللہ ان کے نور چشم برادر ذی قدر حضرت حجتہ لااسلام والمسلمین علامہ سید حسین مرتضیٰ نقوی دامت برکاتہ کو بیش از بیش فراغت خاطر قدرت و وسائل اور توفیقات مرحمت فرمائے کہ وہ اس فنائی لاخلاص خدمت گزار دین و ادب کے آثار کو زندہ رکھ سکیں۔ آمین!

*

(ڈاکٹر سجاد باقر رضوی)

مولانا مرتضیٰ حسین مرحوم سے میری پہلی ملاقات بحیثیت محقق اور ادیب ہوئی، تحقیق، تدوین اور لغت سازی میں ان کی حیثیت مسلم ہے مجلس ترقی ادب اور شیخ غلام علی اینڈ سنز کے لئے انہوں نے بہت عرق ریزی کے ساتھ علمی و تحقیقی کام سرانجام دیئے ہیں۔ جو نہایت وقیع ہیں۔

*

(ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری، سری نگر یونیورسٹی)

میں ان کی صورت سے بالکل ناآشنا تھا صرف ان کی نگارشات اور تصنیفات سے واقف تھا مجھے یہ ہر گز معلوم نہیں تھا کہ علامہ عالم دین بھی تھے میں انہیں ایک محقق اور ادیب سمجھتا تھا جنہیں غالبیات، انیسیات اور دبیریات میں بڑی مہارت حاصل تھی ______ علامہ کی نگارشات کو ہمیشہ میں پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ ان کی تحقیق ٹھوس بنیادوں پر ہوتی تھی اس لئے میں ان کے کارناموں سے زیادہ مانوس تھا۔

*

(پروفیسر سید سجاد رضوی، پنجاب ٹیکسٹ بورڈ، لاھور)

لاھور ایک زمانے میں علم و ادب کی کہکشاں تھی جس میں چھوٹے بڑے ستارے اور سیارے اپنی ضوفشانی میں مصروف رہتے تھے اور اب جب نظر دوڑا کر دیکھتا ہوں تو وہ سب ستارے نظر سے اوجھل ہو گئے ___ اس گروہ کے آخری فرد مولانا مرتضیٰ حسین فاضل بھی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے اب ایک طویل سناٹا ہے۔

دیکھتا ہوں سوئے صحرائے خیال
کس کے قدموں کے نشاں دیکھتا ہوں

ڈاکٹر سید معین الرحمن، گورنمنٹ کالج لاہور

مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی کو میں غالبیات کے مسلمہ اکابر میں شمار کرتا ہوں ــــــ پنتیس 35 برس پہلے اورینٹل کالج میگزین میں ان کے ایک قیمتی مضمون "غالب کی نادر کتابیں" کی اشاعت نے پہلی بار لاہور میں ان کے وجود مسعود کا احساس دلایا۔ اگلے پندرہ سترہ برس میں ان کی تدوین و ترتیب کے ساتھ غالب کے فارسی کلام اور اردو مکاتیب پر مشتمل کوئی سات جلدیں آگے پیچھے سامنے آئیں۔ ــــــ اور ان کے وزن و وقار اور تخفیص کو لاہور سے باہر کے علمی حلقوں میں بھی سراہا جانے لگا۔

*

(سید شبیہ الحسن، ایف سی کالج لاہور)

مولانا مرتضیٰ حسین نے مختلف شعبوں میں قلم اٹھایا اور اپنی جدت طبع سے ان شعبوں کو مالامال کر دیا۔ اسلامی موضوعات میں سے انہیں رجال، حدیث اور تفسیر سے خصوصی ارادت تھی ادب میں آپ کلاسیکی شعر و ادب سے خاص انسیت رکھتے تھے اور غالب شناسی کے باب میں آپ کو اکمل سمجھا جاتا تھا اس کے ساتھ ساتھ آپ جدید علوم اور عصری تحاریک سے آگاہ تھے

ہوئے باغ نذر خزاں کیسے کیسے　　　زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

*

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم ....

سیف زلفی صاحب

گلفشاں لاہور جنوری 1969ء

کہتے ہیں ــــ مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم

مگر ہر فرمودہ ــــ ہرگز درست نہیں ہوتا، اس میں مستثنیات کا ہونا لازمی ہے۔ میرے ذہن میں اس دور کا ایک "مولائے روم" کئی برس سے ہیرے کی طرح دمک رہا ہے جو ادب سے مذہب تک کامل دسترس رکھتا ہے، دسترس ہی نہیں رکھتا، گرہیں کھولتا، گتھیاں سلجھاتا ہے اردو اس کی مادری زبان ہے اور زبان بھی لکھنوی عربی اس روانی سے بولتا ہے کہ اگر کوئی عرب مقابل ہو تو بھڑک اٹھے۔ فارسی کا وہ بلیغ لہجہ کہ عجمی سنے تو دنگ رہ جائے اور انگریزی اس حد

تک جانتا ہے کہ وقت ضرورت کسی کی ضرورت نہ پڑے۔ ہمارے دور کے اس "مولائے روم" کو لوگ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کہتے ہیں۔ جو لکھنؤ کا صدر الافاضل ہے۔ جس نے عماد الکلام (جو عقائد کی دو سالہ سند ہے) حاصل کی تحقیق عربی ادب کی سند "عماد الادب" فاضل کی محبت کا نتیجہ ہے۔ الہ آباد' لکھنؤ اور پنجاب سے اردو عربی اور فارسی کی بارہ اسناد حاصل کیں۔ زیادہ سے زیادہ سندیں بھی حاصل کر سکتے تھے لیکن بارہویں امام کے شیدا جو ہوئے۔

یہ "مولائے روم" گزشتہ دس برس سے 15 حرمت سٹریٹ مغلپورہ لاہور میں سکونت پذیر ہیں لہٰذا ان کو "مولائے لاہور" کے نام سے یاد کیا جا سکتا ہے اور دوستو Even Lahore is not Built in a Day میرے ملک کا یہ شہر میری نظر روم سے زیادہ عظیم شہر ہے۔ اور اس علم و ادب کے گہوارہ میں بڑی عظیم ہستیاں بستی ہیں آج بھی اس شہر میں ڈاکٹر سید عبداللہ' مولانا غلام رسول مہر' پروفیسر حمید احمد خاں' احمد ندیم قاسمی' سید عابد علی عابد' احسان دانش' سید علی عباس' جلالپوری جیسے چراغ روشن ہیں۔ جو علم و ادب کا نور پھیلا رہے ہیں لاہور کی تاریخی حقیقت کے علاوہ ادبی مقام اپنی اہمیت رکھتا ہے اس شہر میں مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنؤ سے ہجرت کر کے آئے۔ مولانا نے لاہور کا انتخاب بھی اپنی علمی لگن کی وجہ سے کیا۔

صف اول کے علماء و ادباء اور اہل ذوق کی محفلوں میں مولانا فاضل کا ذکر بڑے ادب اور احترام سے ہوتا ہے۔ تصنیف و تالیف کے معیاری اور بلند ادارے مولانا سے رجوع کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مولانا کے قلم سے اب تک تیس بتیس کتابیں نکل چکی ہیں جن میں سے۔

1- بیان معانی (خاقانی کے چار قصیدے' خاقانی کے احوال' تحقیق و تشریح)
2- ناسخ __ انتخاب و سوانح
3- آتش __ انتخاب و سوانح
4- ذوق __ انتخاب و سوانح
5- کلیات آتش __ تحقیق و ترتیب و مقدمہ (زیر طبع)
6- مبسوط کتاب سوانح و تنقید (زیر طبع) آتش
7- خیام __ رباعیات کی تحقیق اور ماخذ کا ذکر __ شرح احوال' شرح رباعیات' فارسی رباعیات و قطعات عربی اشعار
8- کلیات غالب (فارسی) __ تحقیق و ترتیب __ (3 جلدیں)
9- مثنویات حالی __ تحقیق و مقدمہ
10- عود ہندی __ تحقیق و شرح و ترتیب و مقدمہ
11- مکاتب محمد حسین آزاد
12- تذکرہ ریاض الفردوس __ تحقیق و ترتیب و تذکرہ و اضافہ
13- یادداشت تذکرہ مرثیہ گویاں

14- نہج البلاغہ کا ادبی مطالعہ
15- مثنوی ابر گہربار غالب ___ تحقیق و ترجمہ
16- اردوئے معلی غالب (دو جلد) تحقیق و ترتیب و مقدمہ

ادب کے قاری کے لئے مشعل راہ ہیں۔ اور مولانا موصوف کی تحقیق و تالیف کے میدان میں اہمیت جتاتی ہیں کم و بیش اتنی کتابیں مذہب پر بھی لکھی ہیں اور ابھی لکھ رہے ہیں جدید "نسیم اللغات" میں مولانا موصوف کی زیادہ کاوش ہے۔ انسائیکلوپیڈیا میں بھی مولانا کا قلم نظر آئے گا۔ جمال ہمنشیں اور محبت صالح تربیت کا جزو ہیں۔

"مرتضیٰ" کا شعور جوان ہونے لگا تو یاس یگانہ چنگیزی بے خود موہانی، محشر لکھنوی، پروفیسر مسعود حسن، تمنا لکھنوی اور حکیم صاحب عالم، جیسی ہستیوں کی محفلوں میں پروان چڑھے۔ قدرت کا التفات کہئے یا حسن اتفاق یہ سب کے سب مرتضیٰ کے پڑوسی تھے مرتضیٰ کے والد ماجد صاحب علم و ادب کے گھر پر ادبی محفلیں ہوتی رہیں اور مرتضیٰ ___ مرتضیٰ حسین سے مرتضیٰ حسین فاضل ہو گئے ___ فاضل کی ابتداء شاعری سے ہوئی، منقبت، نعت، اور غزل میں طبع آزمائی کی مگر تحقیق و تالیف کا یہ مرد میدان زیادہ دیر تک شاعری کے زلف و رخسار نہ نکھار سکا اور اس میں فن، روح عصر اور محاسن و معائب تلاش کرنے لگا۔ آج ادب کو مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی پر ناز ہے ___ کاش ہمارے ہاں ایسی ہستیاں پیدا ہوتی رہیں۔

مولانا حصول زر کیلئے قلم نہیں گھستے، وہ لکھتے ہیں تاکہ ادب کی قدریں تابندہ رہیں اسلاف کے کارنامے زندہ رہیں، اردو ادب کی خدمت ہوتی رہے مولانا سیدھی سادی اسلامی اور باوقار زندگی گزارتے ہیں اپنے حلقے میں ان کی متانت، راست گفتاری، سادگی، شرافت، اور اخلاقی وقار کی زیادہ قدر ہے مولانا کبر و نخوت سے دور ہیں انکساری ان کا شعار ہے۔

سید علی اکبر رضوی

رفتند و لے نہ از دل ما

حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب فاضل گو اب ہم میں نہیں رہے لیکن اپنے کارہائے نمایاں کی بدولت صاحبان علم کے دلوں میں زندہ ہیں۔ مولانائے مرحوم صاحب علم ہی نہ تھے بلکہ عالم باعمل بھی تھے۔ متعدد دینی اور علمی و ادبی کتابوں کے مصنف ہونے کے علاوہ بلند پایہ مفسر قرآن بھی تھے۔ ان کی تالیفات و تصنیفات کی تعداد سو سے متجاوز ہے اور وہ اپنے ان کارہائے علمی کی بنا پر ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ ذوق نے سچ کہا ہے:

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے یہی نہ کہ دوپشت چار پشت

مولانا نہایت خلیق، ملنسار اور روادار انسان تھے اور رواداری کو پسند فرماتے تھے۔ وہ پرانی قدروں کے امین اور پرانے وقتوں کی یادگار تھے جب علماء قابل تقلید ہوا کرتے تھے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی ہوں یا مولانا ابن حسن جارچوی، مولانا سید عابد شبر ہوں یا مولانا منتخب الحق، مولانا سید علی نقی (نقن صاحب قبلہ) ہوں یا مولانا سلیمان ندوی یہ سب حضرات عالم باعمل تھے، مفتی تھے، فقیہ تھے، مفسر قرآن تھے اور گراں قدر کتابوں کے مصنف و مولف لیکن ان گرامی قدر حضرات کے ناموں سے پہلے علامہ کا سابقہ لکھا ہوا ان گنہگار آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور اب جبکہ علم و تقوے کا فقدان ہے جس طرف نظر اٹھاؤ علاماؤں کی ایک فوج ظفر موج نظر آتی ہے۔ بقول حضرت راغب مراد آبادی:

ہر بات پہ ان کی کیوں کہیں امنا
لازم ہے کہ ہر شخص رہے چوکنا
علامہ جو بن رہے ہیں ان میں اکثر
افریقہ جہل کے ہیں عالم چنا

پہلے علماء، غیر مسلموں کو مسلمان اور مسلمانوں کو انسان بناتے تھے اور آج یہ عالم ہے کہ اکثر علماء نے ہر طرف مسلمانوں کو کافر بنانے کے کارخانے کھول رکھے ہیں۔ اختلاف ہوا نہیں کہ کافر گردانا اور واجب القتل قرار دے دیا بقول یگانہ چنگیزی:

سب تیرے سوا کافر آخر اس کا مطلب کیا
سر پھرا دے انساں کا ایسا خبط مذہب کیا

مجھے نہیں معلوم کہ مولانائے مرحوم تقلید کے کس حد تک قائل تھے لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ وہ اس قابل تھے کہ ان کی تقلید کی جاتی۔ علم میں، حلم میں، اخلاق میں، کردار میں، گفتار میں اور رفتار میں وہ یقیناً" قابل تقلید تھے۔ ایک دفعہ میں نے ان کے سامنے علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا وہ سن کر مسکرائے اور خاموش رہے۔

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی
رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

میری ان سے تقریباً تیس سال پہلے ایک مجلس میں ملاقات ہوئی تھی جو مستقل ملاقاتوں میں تبدیل ہوگئی۔ مولانائے محترم جب کراچی تشریف لاتے شرف ملاقات عطا فرماتے اور ایک شب میرے غریب خانے پر ضرور قیام کرتے۔ اس وقت مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی۔ تمام سوالوں کا نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیتے۔ نہ تو کبھی جھلاتے اور نہ ٹالنے کی کوشش کرتے۔ انہیں مخطوطات سے بڑی دلچسپی تھی۔ ان کے ذاتی کتب خانے میں بے شمار نادر و نایاب

کتابیں موجود تھیں۔ اچھی کتاب جہاں بھی ملتی جس قیمت پر بھی ملتی خرید لیتے کبھی کبھی ایسی کتاب فروخت کرنے والوں کو میری طرف بھیج دیتے۔ مولانا کے فرستادہ لوگوں سے میں نے کافی قلمی نسخے خصوصاً" قرآن مجید خریدے جو میری لائبریری میں بحمد اللہ موجود ہیں۔ میرے یہاں قیام فرماتے تو میرے مخطوطات پر ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نوٹس موجود ہیں۔ اپنے ایک فرزند عزیزی حسین مرتضیٰ سلمہ کو عالم دین بنانا چاہتے تھے چنانچہ ان کو مشہد بھیجا۔ ہونہار بیٹے نے مشہد، قم اور تہران میں اعلیٰ تعلیمی مدارج طے کئے اور عالم باعمل بن کر ابھرے۔

مولانا ترویج علم کے بڑے حامی تھے اس موضوع پر میری ان سے مکالمت و مکاتبت رہتی تھی۔ ادارہ ترویج علوم اسلامیہ کے پہلے اجلاس میں تمام مصروفیات کے باوجود لاہور سے تشریف لائے اور کئی روز میرے غریب خانے پر قیام فرمایا اور میری رہنمائی کی۔ مولانا صاحب محراب و منبر تھے لیکن اس کو کبھی ذریعے معاش نہیں بنایا۔ درس و تدریس سے اخراجات زندگی پورے کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی باتوں کا دلوں پر اثر ہوتا تھا۔ جو بھی ان کے پاس آتا کچھ نہ کچھ حسب توفیق لے کر جاتا۔ اللہ کے نیک بندے تھے بلاوا جلد آگیا اور انہوں نے دارالفناء کو چھوڑ کر دارالبقاء کا سفر اختیار کیا۔

پھر کیا سبب ہے جا کے جو آتا نہیں کوئی
دلچسپ اگر سواد دیار عدم نہیں

محمد سلطان زماں

کوتاہ قامت، نہ دبلے نہ موٹے، پھیکی صورت، اوپر سے خشک اور بے رنگ، اندر سے شگفتہ اور تروتازہ، آنکھیں ذہانت سے ضیا پاش ادیب، نقاد، معلم، مقرر، ذاکر، لکھنوی تہذیب کے شیدائی ملت بیضا کے پر ستار، وضع دار، خوش فکر و خوش گفتار، ذاتی نمود ونمائش سے بے زار، سیاست سے بے نیاز، سادہ لباس سادے اطوار، سر اور ڈاڑھی میں کھچڑی بال، ڈھیلا پائجامہ اور روایتی اچکن زیب تن سر پر رام پوری طرز کی ٹوپی، پیروں میں موکیشن جوتا، ڈیڑھ سو سے زیادہ ادبی اور مذہبی کتابوں کے مصنف، گویا ذرا سی جان میں قدررت نے علم و حکمت کے خزانے بھر دیئے تھے۔

یہ ہیں مولوی مرتضیٰ حسین صاحب لکھنوی جو خراماں تشریف لارہے ہیں۔ قریب آکر دایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر اور تھوڑا سا جھک کر بعد از سلام و دعاخیریت دریافت فرماتے ہیں اور " الحمد اللہ " کہہ کر دوسروں کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں۔ ہرچند کہ مولانا میرے ہم وطن تھے۔ لیکن میری پہلی ملاقات لاہور ہی میں ہوئی۔ غالباً" 1956ء یا 1957ء کا زمانہ تھا جب حکیم صاحب عالم صاحب لکھنؤ سے ہجرت فرما کر لاہور تشریف لائے اور چند روز مجھے مہمان نوازی کا شرف بخشا۔ آپ میری اہلیہ کے حقیقی پھوپا تھے۔ جاتے وقت تاریخ احمدی " کا ایک قدیم نسخہ میرے سپرد کرگئے کہ میں اس کو مولوی مرتضیٰ حسین صاحب تک پہنچادوں۔ مولوی صاحب کو میں نے ڈھونڈ نکالا اور پہلی ہی ملاقات میں ہم ان

کے گرویدہ ہوگئے۔ ملنے جلنے کا سلسلہ جاری اور ساری ہوگیا یوں بھی مولانا لکھنؤ میں میرے خاندان سے خوب واقف تھے مین نے بھی چند کتابیں مولانا کو پیش کیں جو غالبا" اس وقت پاکستان میں نایاب تھیں۔ اسی زمانے میں مولوی مرتضیٰ حسین صاحب سمن آباد (لاہور) میں پونچھ روڈ پر میرے عزیزدولت اور میرے چھوٹے بھائی خورشید زماں کے ہم زلف سید علی حیدر صاحب کے یہاں عشرہ محرم کی مجالس شام کو پڑھا کرتے تھے جن میں خواص زیادہ اور عوام کم شرکت کرتے تھے مولانا چٹ پٹی مجالس پڑھنے کے قطعی عادی نہیں تھے جہالت کے باعث عام آدمیوں کو ان کی تقریر زیادہ پسند نہیں آتی تھی اختتام مجلس پر صاحب مجلس چند اشخاص کو روک لیتے تھے اور ان کی مولانا کے ساتھ چائے پر تواضع فرماتے تھے۔ میں بھی اکثر حاضر ہوتا تھا۔ اس موقع پر مولانا کے ساتھ کھل کر نہایت مفید گفتگو ہوتی تھی۔ گھنٹہ دو گھنٹے کی صحبت میں علم و آگہی کے ایسے ایسے نکات بیان فرماتے تھے کہ ہم ان کی صورت دیکھتے رہ جاتے تھے۔ میں گھبرا کر کہا کرتا تھا کہ ہمارے افراد ملت کو ایسی معلومات کی اشد ضرورت ہے آپ منبر پر کیوں نہیں ارشاد فرماتے تو مولانا مسکرا کر خاموش ہو جاتے تھے۔ اس صحبت میں جو خاص افراد شرکت فرماتے تھے ان میں شاید ہی کوئی زندہ باقی رہا ہو۔ پروفیسر غلام رضا'ڈاکٹر اقتدا حسین زیدی (آجکل کراچی میں علالت کے باعث مقیم ہیں) پروفیسر بخاری'سید وراثت حسین نقوی'مرزا حسن علی انجینئر واپڈا' شیخ باقر حسین مرحوم اور ان کے برادران' سید آل حسن میں نے مولوی مرتضیٰ حسین کو قریب سے دیکھا ہے۔ ایسا عالم فاضل' ایمان اور آگہی میں پختہ'عربی اور فارسی میں کامل عزت نفس کا محافظ'مخلص دوست اور ہمدرد اب شاید مشکل سے ہمیں میسر آئے - اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے۔

ڈاکٹر شارب ردولوی

جناب سید مرتضیٰ حسین لکھنؤی صاحب کے سانحہ ارتحال کی خبر یہاں کے اخبارات میں شائع ہوئی تھی وہ صحیح معنوں میں ایک عالم تھے اور آخری وقت تک علم کی خدمت انجام دیتے رہے میں ان کے نام اور ان کی کتابوں سے طالب علمی کے زمانے سے واقف ہوں لیکن ان سے ملاقات کا شرف اس وقت حاصل ہوا جب وہ آخری بار ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اور لکھنؤ میں پروفیسر شبیہ الحسن صاحب نونہوی کے یہاں مقیم تھے ان کی طبیعت خراب تھی لیکن چارپائی پر تکیہ کے دونوں طرف کتابیں تھیں سامنے کی میز پر بہت سی کتابیں رکھی ہوئی تھیں جو انہوں نے یہاں سے لے جانے کے لیے خریدی تھیں یا بعض لوگوں نے تحفے میں دی تھیں میں جتنی دیر رہا علمی مسائل پر گفتگو کرتے رہے ان کی سادگی اور علمی بصیرت نے مجھے بے حد متاثر کیا انھوں نے علم و ادب پر جتنا کام کیا ہے اس زمانے میں کسی اور

نے اتنا کام نہیں کیا ہوگا غالب اور مطالعہ غالب پر ان کی جو نگاہ تھی اس کا زمانہ قائل ہے لیکن اس سے الگ ابتدائی تعلیمی کتابوں اور قواعد کی ترتیب اور دواوین کے انتخاب اور تدوین کے سلسلے میں انھوں نے جس وقت نظر سے کام لیا ہے وہ اہم بہت ہے وہ ایک بلند پایہ محقق اور دانشور تھے جس کی کمی اردو دنیا ہمیشہ محسوس کریگی۔

*

سید علی رضا "یوگنڈا"

حسین مرتضیٰ صاحب نے اپنے مقالہ میں علامہ صاحب کے کسب علوم اور نشرعلوم کی جو تفصیل پیش کی ہے وہ یقیناً نہایت فکر انگیز اور حوصلہ خیز ہے اس کو پڑھ کر ہر صاحب علم کو یہ حوصلہ ہوگا کہ کسب علم اس طرح کیا جاتا ہے اور اسکی روشنی کو اس طرح دھن اور لگن سے پھیلایا جاتا ہے علامہ صاحب کو جس طرح پڑھنے کی دھن اور لگن تھی اسی طرح لکھنے کی بھی مرحوم کے آثار علمیہ کی کیفیت کا احاطہ کرنا مشکل ہے مختصراً" کہا جاسکتا ہے کہ جتنے قلمی آثار آپ نے چھوڑے ہیں وہ سید العلما سید علی نقی صاحب (نقن صاحب) قبلہ کی ذات گرامی کو مستثنیٰ کرکے برصغیر ہندوپاک کے کسی اور فرد واحد نے نہیں چھوڑے ہونگے۔ علامہ صاحب کی رحلت کیا ہوئی کہ علم کا ایک آفتاب نیر تھا جو غروب ہوگیا اس صدی میں خطہ ارضی پر معارف آل محمد علیہ السلام کا ایک منشور تھا جو بند ہوگیا یہ صحیح ہے کہ جسما"اب علامہ صاحب ہمارے درمیان میں نہیں ہیں لیکن ان کے آثار علمیہ باقیات الصالحات کے طور پر نہ صرف ان کے نام کو بلکہ انکی جلائی ہوئی شمع ہائے علم کو تابندہ رکھینگے۔ اللہ تعالی انکو جنت الفردوس میں درجات عالیہ پر فائز فرمائے اور خدائے کریم انکے تمام اقارب کو صبر عطا فرمائے اور آپ سب کو اتنی قوت دے کہ آپ انکی جدائی کو برداشت کرلیں اگر ممکن ہو تو حسین مرتضیٰ صاحب کا پتہ لکھ کر بھیجئے اپریل 86ء میں آقائے خمینی کی زیارت کے لئے ایران جانے کا اتفاق ہوا دو روز کے لئے قم میں بھی قیام رہا وہاں پہنچتے ہی حسین مرتضیٰ صاحب کے متعلق جگہ جگہ دریافت کیا صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ الحمد اللہ ان کا شمار وہاں کے بزرگ علماء میں ہوتا ہے لیکن وہ قم سے کچھ فاصلے پر قیام کئے ہوئے ہیں ملاقات نہ ہوسکی اس کا تو رنج رہا البتہ انکی علمی ترقی کو سن کو خاصی خوشی ہوئی اللہ آپ سب بھائیوں کو ترقی علم و درجات بلند عطا کرے تاکہ علامہ مرحوم کی روح اس لحاظ سے بھی خوش رہے آمین زیادہ دعائیں۔

دائرہ معارف اسلامی کے مقالات

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل ایک عالم دین بھی تھے اور ایک ادیب محقق اور نقاد بھی۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی علم و ادب کی خدمت میں گزاری اور مختلف موضوعات پر ایسی قابل قدر کتابیں شائع کیں جو اردو ادب میں بلند مقام رکھتی ہیں لیکن ان کا دائرہ خاص تو دینی تحقیق و تدوین رہا۔ جس کے اعلیٰ نمونے دائرہ معارف اسلامیہ کی جلدوں میں محفوظ ہیں۔ مولانا اس بارے میں خود رقمطراز ہیں:

"انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" کے لئے میرے مقالات میری محنت کے شاہکار ہیں"۔

ان مقالات کی تفصیل اشاعت یہ ہے:

نمبرشمار	نام مقالہ	جلد نمبر	صفحہ نمبر
-1	اثنا عشریہ	1	997
-2	حسن بن محمد تقی	8	280
-3	الحسن بن علی (شیعی نقطہ نظر)	8	256
-4	خلافت (تنقید) (شیعی نقطہ نظر)	8	1006
-5	حضرت خدیجہؓ (تقلید: شیعی نقطہ نظر)	8	868
-6	حسین بن ولدار علی	8	276
-7	حسین بن سعید	8	277-276
-8	حیدر	8	735
-9	الحسین بن علی	8	323
-10	الزیدہ (تعلیقہ)	10	557
-11	حضرت سکینہ بنت الحسین علیہ السلام	11	106
-12	سلمان فارسی	11	188
-13	عاشورہ (شیعی نقطہ نظر)	12	674

-14	صلواۃ (شیعی نقطہ نظر)	12	192
-15	عبداللہ بن سبا (تعلیقہ)	12	782
-16	علم (علم القائد) (شیعی نقطہ نظر)	14/1	58
-17	علم (علم المیراث) (تعلیقہ)	14/1	35
-18	شیعہ علم الکلام	14/1	118
-19	غدیر خم	14/2	460
-20	غفران ماب	14/1	542
-21	علی ابن موسیٰ الرضا	14/2	100
-22	علمدار	14/2	1
-23	علی بن ابی طالب (تعلیقہ)	14/2	47
-24	علی بن حسین	14/2	76
-25	علی ابن محمدؑ	14/2	93
-26	فقیر	15	443
-27	فقیہ	15	447
-28	فاطمہؑ (شیعی نقطہ نظر)	15	97
-29	فدک (شیعی نقطہ نظر)	15	213
-30	کربلا	17	144
-31	متعہ (شیعی نقطہ نظر)	18	462
-32	مباہلہ	18	436
-33	محمد بن علیؑ (شیعی نقطہ نظر)	19	342
-34	مفتی سید محمد عباس	19	444

آپ کے ممتاز اساتذہ اور نامور شاگردوں کے نام اور علمی مقام

-1 حجتہ الاسلام سید محمد رضوی صاحب قبلہ (فقیہ) مرحوم، پرنسپل جامعہ سلطانیہ

-2 جناب حجتہ الاسلام سید محمد حسن صاحب قبلہ مدظلہ، فقیہ

-3 حجتہ الاسلام سید محمد حسین صاحب قبلہ مرحوم، فقیہ

-4 جناب مولانا سید عبدالحسین صاحب قبلہ مرحوم، فلسفی

-5 جناب مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ نونہوی مرحوم ادیب و خطیب

-6 جناب مولانا سید محمد صادق قبلہ مرحوم، ادیب عربی

-7 جناب پروفیسر سید محمد حسین صاحب مرحوم لکھنؤ یونیورسٹی، فارسی ادب

شاگرد:

-1 کاظم علی خان صاحب لکھنؤ

-2 ڈاکٹر حسین محمد صاحب جعفری، لندن کراچی

-3 حجتہ الاسلام مولانا سید محمد محسن صاحب کراچی

تحصیل تعلیم کے دوران آپ نے فارسی / ایران سے متعلق جن موضوعات پر تحقیق کی

-1 خیام، عمرو

-2 غالب، مرزا اسد اللہ خاں

-3 حدیث شیعہ

-4 رجال شیعہ

-5 تصانیف شیعہ

تحقیق کا خاص شعبہ:

ادب ___ تاریخ ___ حدیث ___ تفسیر

*

بوستانِ اوّل ۵ مطبوعہ تالیفات

نمبر شمار	نام	زبان	موضوع	تاریخ تالیف	تاریخ طباعت	مطبع	ناشر
۱	آخری تاجدارِ امامت ع	اردو	سیرت آئمہ	—	طبع اول ۱۹۵۱ء / ۱۳۷۹ھ طبع دوم ۱۹۶۰ء، ۱۳۷۹ھ	فیروز سنز لمیٹڈ	استقلال، نواب فرخ عالم ؒ
۲	آیۃ اللہ خمینی قم سے قم تک	اردو	تاریخ	۲۰/ج ۹۹/۲ ۱۳ھ	طبع اول اگست ۱۹۷۹ء / ۱۳۹۹ھ رمضان طبع دوم ۱۹۷۹ء	اردو ڈائجسٹ لاہور	امامیہ پبلی کیشنز لاہور
۳	احوال آتش و تعارف کلیات	اردو	ادب	۱۹۶۷/۲/۲۱ء	نومبر ۱۹۷۲ء، ۱۳۹۱ھ	—	مجلس ترقی ادب لاہور
۴	احوال الرجال لکتاب المومن	عربی	رجال	—	اگست ۱۹۷۱ء		پروگریسو پبلشرز لاہور
۵	احوال و رباعیات خیام	فارسی و اردو	شعر و ادب	—	۱۹۶۵ء	علمی پرنٹنگ پریس لاہور	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۶	اذکار اسماء اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ	عربی و اردو	دعا	۱۸، رجب ۱۳۹۳ھ	رمضان ۱۳۹۳ھ	—	خلیفہ سعادت حسین
۷	اردو ـ قواعد و انشاء	اردو	قواعد	—	مارچ ۱۹۷۷ء	جے، ایچ پرنٹرز	ادارہ التحریر لاہور
۸	اردو ادب میں شیعوں کا تعمیری و تخلیقی حصہ	اردو	ادب	—	شوال ۸۵ تا ذی حجہ ۱۳۸۵ھ فروری ۶۶ تا اپریل ۱۹۶۶ء	—	معارف اسلام لاہور
۹	اردوئے معلّٰے (صدی ایڈیشن)	اردو	ادب	۳۰ جنوری ۱۹۶۸ء	۱۹۶۹ء	ظفر سنز پرنٹرز	مجلس ترقی ادب لاہور
۱۰	اسرار الصّلوٰۃ	اردو	عبادات	—	—	تعلیمی پرنٹنگ پریس	امامیہ مشن لاہور
۱۱	اسلام میں خواتین کے حقوق	اردو	حقوق	۷ شوال ۱۴۰۵ھ تہران	ذی حجہ ۱۴۰۶ھ	چاپ سپہر	سازمان

نمبر شمار	نام	زبان	موضوع	تاریخ تالیف	تاریخ طباعت	مطبع	ناشر
۱۲	اسلامیات لازمی برائے جماعت نہم دہم	اردو	حقوق	اسلامیات	طبع اوّل اگست ۱۹۷۵ء	پاکستان ہیرالڈ لمیٹڈ	نیشنل بک فاؤنڈیشن، لاہور
۱۳	اسلامی معاشرہ	عربی و اردو	اخلاق	—	طبع اوّل ۱۹۶۴ء ۱۳۷۸ھ طبع دوم ۱۹۸۵ء	تعلیمی پرنٹنگ پریس	محمدیہ جنتری لاہور معارف اسلام لاہور
۱۴	اصول اسلام اور ہم	اردو	اخلاق و معاشرت	—	جنوری ۱۹۷۲ء	تعلیمی پرنٹنگ پریس	ادارہ درس عمل لاہور
۱۵	اقبال کی کہانیاں	اردو	ادب	—	۱۹۷۱ء	رشید آرٹ پریس	لاثانی ناشرین لاہور
۱۶	امام حسینؑ کے تعلیمات	اردو	سیرت و حدیث	—	جولائی ۱۹۶۰ء	—	امامیہ مشن پاکستان
۱۷	انتخاب آتش	اردو	شعر و ادب	—	مارچ ۱۹۵۷ء	علمی پرنٹنگ پریس	کتاب منزل لاہور
۱۸	انتخاب ذوق	اردو	شعر و ادب	۲۲، اکتوبر ۱۹۵۵ء	مارچ ۱۹۵۷ء	علمی پرنٹنگ پریس	کتاب منزل لاہور
۱۹	انتخاب ناسخ	اردو	شعر و ادب	۱، فروری ۱۹۵۵ء	مارچ ۱۹۵۷ء	علمی پرنٹنگ پریس	کتاب منزل لاہور
۲۰	انقلاب اسلامی						
-	معرکہ مشہد و آیت اللہ شیرازی	اردو	تاریخ و سوانح	—	جنوری ۱۹۸۱ء	حیدری پریس	امامیہ پبلی کیشنز لاہور
-	خطوط و سوانح						
۲۱	انقلاب اسلامی کی تحریک	اردو	تاریخ و سوانح	۱، فروری ۱۹۸۲ء	ستمبر ۱۹۸۲ء	کاشف پبلی کیشنز کراچی	سید عابد مرتضیٰ لاہور
	حیات و افکار جمال الدین افغانی						

نمبر شمار	نام	زبان	موضوع	تاریخ تالیف	تاریخ طباعت	مطبع	ناشر
۲۲	انوار الآیات	اردو	تفسیر	—	۱۹۶۱ء	ولیسٹ پنجاب پریس	مسجد کمیٹی گورنمنٹ ہائی اسکول باغبانپورہ لاہور
۲۳	انیس اور مرثیہ، زندگی اور پیام	اردو	ادب		فروری ۱۹۷۶ء	فیاض پریس لاہور	سید عابد مرتضیٰ لاہور
۲۴	اوصاف الحدیث	اردو	روایت	۲۷ شعبان ۱۳۹۱ھ ۱۹۶۰ء	۱۳۹۲ھ	تعلیمی پریس لاہور	امامیہ مشن پاکستان
۲۵	برمحل اشعار	اردو	شعر و ادب	—	۲۸ جولائی ۱۹۵۰ء	آفتاب عالم پریس	علم بار لاہور
۲۶	بیان معانی						
—	شرح انتخاب قصائد خاقانی	فارسی و اردو	شعر و ادب	—	۱ مئی ۱۹۵۷ء	انتشار پریس	صافی پرنٹرز لاہور
۲۷	بیست مقالہ قزوینی	فارسی	ادب	—	۱۹۶۳ء	علمی پرنٹنگ پریس	شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور
۲۸	تاریخ ادب اردو	اردو	ادب	۱۲ دسمبر ۱۹۶۵ء	۲۱ ۲/۸۶ھ / ۱۱ ۴/۴۴ء	علمی پرنٹنگ پریس	ولی سنز پبلیشرز لاہور
۲۹	تاریخ تدوین حدیث						
—	و تذکرہ شیعہ محدثین	اردو	تاریخ حدیث	۱۶ ستمبر ۱۹۵۷ء	۱۹۵۷ء	ہمدرد پریس راولپنڈی	پاکستان حسینی مشن راولپنڈی
۳۰	تاریخ عزاداری	اردو	تاریخ	۱۳ شوال ۱۳۸۱ھ	۲۷ ذی حجہ ۱۳۸۱ھ	—	ہفت روزہ رضاکار، لاہور
۳۱	تذکرہ ریاض الفردوس	اردو	تاریخ ادب	۲۰ مارچ ۱۹۶۸ء	—	علمی پریس لاہور	شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور
۳۲	تذکرۂ مجید	اردو	رجال	—	۱۹۷۹ء	نوید پرنٹنگ پریس، کراچی	دار الثقافۃ الاسلامیہ کراچی

نمبر شمار	نام	زبان	موضوع	تاریخ تالیف	تاریخ طباعت	مطبع	ناشر
۳۳	تذکرہ مولانا باقر العلوم	اردو	رجال	۲۶ شعبان ۱۴۰۲ھ لاہور	ذی حجہ ۱۴۰۲ھ	نوید پرنٹنگ پریس کراچی	سیّد عابد مرتضیٰ لاہور
۳۴	ترجمان حقائق						
—	ترجمہ نہج البلاغہ من امام الصادق ؑ	عربی و اردو	حدیث	۲۰ محرم ۱۳۹۴ھ	۱ دسمبر ۱۹۷۴ء	—	مجلس کتابخانہ شیخوپورہ
۳۵	تشیع اور رہبری	اردو	کلام	۶ صفر ۱۴۰۴ھ	۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء	—	دار الثقافۃ الاسلامیہ کراچی
۳۶	تفسیر مرتضوی	اردو	تفسیر	۱ رمضان ۱۴۰۷ھ	۱۴۰۶ تا ۱۴۰۷ھ	—	مجلہ توحید اردو تہران
۳۷	جدید نسیم اللغات اردو	لغت	—	—	متعدد اشاعتیں	—	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۳۸-۴۰	جناح الادب چھٹی سے آٹھویں جماعت تک کیلئے ۳ درسی کتابوں کا سلسلہ	عربی و اردو	قواعد نظم و نثر	—	۷ دسمبر ۱۹۵۴ء	—	کتاب منزل لاہور
۴۱	جناح القواعد	عربی	قواعد	—	۷ دسمبر ۱۹۵۴ء	—	کتاب منزل لاہور
۴۲	جواہر دبیر	اردو	شعر و ادب	—	ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ جولائی ۱۹۸۶ء	غلام علی پرنٹرز	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۴۳	جہاد حسینی	اردو	تاریخ کربلا	—	جون ۱۹۵۷ء	مسلم پرنٹنگ پریس کراچی	ادارہ تعلیمات الٰہیہ
۴۴	چہل حدیث	عربی و اردو	حدیث	—	—	—	—

نمبرشمار	نام	زبان	موضوع	تاریخ تالیف	تاریخ طباعت	مطبع	ناشر
۴۵	حجۃ قاطعہ	اردو	تفسیر	—	—	—	پیام عمل لاہور
۴۶	حسینؑ و غم حسینؑ	اردو	کلام	—	۱۸، اگست ۱۹۵۵ء	کوآپریٹو پرنٹنگ پریس	ادارہ معارف اسلام لاہور
—	محرم و آداب عزا						
۴۷	حسین بن سعید اہوازیؒ	عربی	رجال	نظر ثانی ۲۶، شوال ۱۳۸۹ھ	—	—	مجلۃ العرفان صید البنان
۴۸	حضرت ابن عباسؓ کا یادگار خط	اردو	تاریخ	—	۱۹۶۰ء	سرفراز قومی پریس لکھنؤ	امامیہ مشن لکھنؤ
۴۹	حقوق اموات	اردو	حقوق	—	طبع سوم ۱۰/۷۶ ۲۷	علی پرنٹرز	سیّد مبارک علی نقوی
۵۰	حقوق و فرائض اولاد اور ماں باپ	اردو	حقوق	—	۲۸، فروری ۱۹۷۸ء	نور عالم پرنٹرز لاہور	—
۵۱	الحکومۃ الاسلامیہ	عربی	فقہ	۲۵، ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ تہران	۱۴۰۵ھ	—	سازمان تبلیغات اسلامی تہران
۵۲	حیات حکیم	اردو	سیرت	—	رجب ۱۳۸۹ھ/ستمبر ۱۹۶۹ء	نور عالم پرنٹرز لاہور	—
۵۳	خطیب قرآنؐ	اردو	سیرت النبیؐ	—	دسمبر ۱۹۶۱ء	علمی پرنٹنگ پریس	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۵۴	خواتین اور عاشورا	اردو	تاریخ	—	صفر ۱۴۰۸ھ/اکتوبر ۱۹۸۷ء	دار الثقافۃ الاسلامیہ	دار الثقافۃ الاسلامیہ کراچی
۵۵	دروس القواعد	عربی اردو	قواعد عربی	—	اپریل ۱۹۷۶ء	—	قیصر برادرز لاہور
۵۶	دستور اخلاق	اردو	تفسیر	—	۱۹۶۱ء	ولیسٹ پنجاب پریس لاہور	—

نمبر شمار	نام	زبان	موضوع	تاریخ تالیف	تاریخ طباعت	مطبع	ناشر
۵۷	رسولؐ و اہلبیت رسول ج ۳	اردو	سیرت آئمہ	—	۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء	آئیڈیل پرنٹرز کراچی	خراسان اسلامک سنٹر کراچی
۵۸	رہنمائے اساتذہ	اردو	فن تعلیم	—	۱۹۷۵ء	—	وزارت تعلیم پاکستان
۵۹	زیارت جامعہ عاشورہ	عربی و اردو	عبادات	—	—	—	شیخ اختر علی بانگا
۶۰	سبد چین غالب پر ایک نظر	فارسی و اردو	ادب	—	جنوری ۱۹۵۰ء	—	ماہنامہ احسن رامپور ہند
۶۱	سرودِ غالب	اردو	شعر و ادب	۲۰ ستمبر ۱۹۶۷ء	فروری ۱۹۶۸ء	علمی پرنٹنگ پریس لاہور	شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور
۶۲	سفرنامہ حج و زیارت	اردو	سفرنامہ	۱۹۷۰/۱۹۹۰ء-۱۳۸۹ھ	نومبر ۷۱ء تا اکتوبر ۷۲ء	پیام عمل لاہور	امامیہ مشن پاکستان
۶۳	سفیر سیّد الشہداءؑ	اردو	تاریخ و سیرت	۲۷ اکتوبر ۱۹۷۸ء	۱/۹۹ ھ/ ۱۲/۷۸ ۲ ء	لائف پرنٹنگ پریس	تنظیم فدائیان اکبر لاہور
۶۴	شرح غزلیات نظیری	فارسی و اردو	ادب	—	۱۹۶۴ء	علمی پرنٹنگ پریس	شیخ مبارک علی تاجر کتب
۶۵	شرح قصائد عرفی	فارسی و اردو	ادب	—	۱۹۶۳ء	—	شیخ مبارک علی تاجر کتب
۶۶	صحیفہ کاملہ	عربی و اردو	دعا	—	۱۹۵۸/۲ء، ۱۹۶۲/۳ء	تعلیمی پریس	مکتبہ امامیہ و ادارہ علوم آل محمدؐ لاہور
۶۷	صلح امام حسن علیہ السلام	اردو	تاریخ	۱۸ جون ۱۹۵۷ء	۱۹۵۷ء	ادبی پرنٹنگ پریس	ادارہ تعلیمات الہیہ کراچی
۶۸	عود ہندی	اردو	ادب	۱ اکتوبر ۱۹۶۵ء لاہور	جون ۱۹۶۷ء	ریڈنگ پرنٹنگ پریس	مجلس ترقی ادب لاہور
۶۹	فضائل حضرت امیر المومنین علیہ السلام	اردو	سیرت آئمہ	—	جنوری ۱۹۶۷ء	—	المبلغ سرگودھا

نمبر شمار	نام	زبان	موضوع	تاریخ تالیف	تاریخ طباعت	مطبع	ناشر
۷۰	فضائل علی علیہ السلام	اردو	سیرت آئمہ	۸۶/۲ ۱۴ء / ۱۴۰۶/۶ ۴ھ	رجب ۱۴۰۶ھ	اظہار سنز پرنٹرز	کاظمیہ کتاب خانہ لاہور
۷۱	الفضل الجلی، فی حیاۃ محمد قلی	عربی	رجال	۲۹/ج ۲/۱۳۹۸ھ لاہور	۱۳۹۸ھ/۷۹ ۱۹ء	—	جامعۃ اہل البیت ع اسلام آباد
۷۲	قرآنی قاعدہ و دینیات	عربی و اردو	دینیات	—	مارچ ۱۹۷۵ء	حمیدیہ الیکٹرک پریس پشاور	وزارت تعلیم پاکستان
۷۳	کتاب المومن	عربی و اردو	حدیث	۸۸/۸ ۱۳ھ منگل	طبع اول اگست ۱۹۷۱ء	فسکو پریس لاہور	پروگریسیو پبلشرز
—	—	—	—	۱۴۰۲/۲ ۱۸ھ نظر ثالث	طبع دوم ۱۴۰۴ھ ۱۹۸۴ء	نوید پرنٹنگ پریس کراچی	دار الثقافۃ الاسلامیہ کراچی
۷۴	کربلا - تاریخ و تعمیر	اردو	تاریخ	—	محرم ۱۳۹۱ھ	—	رضا کار و شیعہ لاہور
۷۵	کلیاتِ آتش	اردو	شعر و ادب	—	مئی ۷۳ء، جون ۷۵ء	ظفر سنز پرنٹرز لاہور	مجلس ترقی ادب لاہور
۷۶	کلیات غالب	فارسی	شعر و ادب	۳۱، دسمبر ۱۹۶۶ء	جون و ستمبر ۱۹۶۷ء	ظفر سنز پرنٹرز لاہور	مجلس ترقی ادب لاہور
۷۷	کلیات فیضی	فارسی	شعر و ادب	—	مئی ۱۹۶۷ء	سن بیم کمرشل آرٹس پریس	ادارہ تحقیقات پاکستان
۷۸	گلستانِ ادب (ساتویں جماعت کیلئے)	فارسی و اردو	ادب		جون ۱۹۵۵ء	راجپوت پرنٹنگ پریس	معلم پبلشنگ کمپنی لاہور
۷۹	گلستانِ ادب (آٹھویں جماعت کیلئے)	فارسی و اردو	ادب		۱۹۵۵ء	راجپوت پرنٹنگ پریس	معلم پبلشنگ کمپنی لاہور
۸۰	گلدستۂ افکار	اردو	تاریخ	—	رجب ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء	اشرفیہ پریس لاہور	نواب فرخ عالم رح
۸۱	گلستان حکمت	عربی و اردو	حدیث	۷۹/۴ ۱۳ء / ۷۹/۱۰ ۱۶ء	—	دی کوآپریٹو پریس	رضا کار بک ڈپو لاہور

نمبر شمار	نام	زبان	موضوع	تاریخ تالیف	تاریخ طباعت	مطبع	ناشر
۸۲	متعہ اور قرآن	اردو	تفسیر و فقہ	۱۰ ۵/۱۴۰۶ھ / ۲۲ ۱/۸۶ء بدھ	۱۳ ۷/۱۴۰۶ھ / ۲۵ ۳/۸۶ء	اظہار سنز پرنٹرز لاہور	کاظمیہ کتاب خانہ لاہور
۸۳	مثنوی ابر گہربار	فارسی	شعر	ـ	۱۹۶۶ء	مجلہ اردو	ترقی ادب بورڈ کراچی
۸۴	مثنویات حالی	اردو	شعر و ادب	ـ	نومبر ۱۹۶۶ء	منظفر پرنٹرز لاہور	شیخ مبارک علی تاجر کتب
۸۵	مرثیہ۔ تاریخ سے تجربہ کی طرف	اردو	ادب	ـ	۱۹۷۶ء	مطبع عالیہ لاہور	آغا حیدر
۸۶	مستند دعائیں	عربی و اردو	دعا	ـ	اوّل جنوری ۶۷ء دوم مارچ ۶۸ء	نامی پریس لاہور	مکتبہ تعمیر ادب لاہور
۸۷	مستند نماز با تصویر	اردو	فقہ	ـ	اپریل ۱۹۶۷ء	نامی پریس لاہور	مکتبہ تعمیر ادب لاہور
۸۸	مشاعرہ	اردو	شعر	۲۴ فروری ۱۹۵۶ء	ـ	علمی پریس لاہور	کتاب منزل لاہور
۸۹	مطلع انوار	اردو	رجال	۲۶ ۲/۱۴۰۲ھ / ۲۴ ۱۲/۸۲ء	۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۱ء	رشید آرٹ پریس لاہور	خراسان اسلامک ریسرچ سنٹر کراچی
۹۰	مفید تشریحات اسلامیات	اردو	دینیات	ـ	۱۹۷۷ء	رشید آرٹس پریس لاہور	قیصر برادرس لاہور
۹۱	مقالہ ای در مورد تفاسیر قرآن کریم				اوّل ، ۱۹۸۰ء	ـ	وظیفہ تہران
ـ	در ہند و پاکستان	فارسی	تاریخ	ـ	دوم ، اکتوبر ۱۹۸۱ء	ـ	الواعظ لکھنؤ
۹۲	مکاتیب آزاد	اردو	ادب	۱۵ جون ۱۹۶۶ء	نومبر ۱۹۶۶ء	مطبع عالیہ لاہور	مجلس ترقی ادب لاہور
۹۳	منتخب مراثی (صدی ایڈیشن)	اردو	ادب	۱ اکتوبر ۱۹۷۲ء لاہور	۱۴۰۴ھ / ۱۹۷۴ء	ظفر سنز پرنٹرز	مجلس ترقی ادب لاہور

نمبر شمار	نام	زبان	موضوع	تاریخ تالیف	تاریخ طباعت	مطبع	ناشر
۹۴	نواسۂ رسول، امام حسن علیہ السلام	اردو	سیرت	—	—	نامی پریس لاہور	انجمن امامیہ لاہور
۹۵	نہج البلاغۃ	عربی و اردو	حدیث	—	جنوری ۱۹۵۷ء	علمی پرنٹنگ پریس	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۹۶	نہج البلاغۃ کا ادبی مطالعہ	اردو	ادب	۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء	۱۹۵۹ء	ایجوکیشنل پریس کراچی	ادارہ تعلیمات الہیہ کراچی
۹۷	ھدایۃ النساء	اردو	فقہ	—	جون ۱۹۸۴ء	چاند کمپنی لاہور	ڈاکٹر سید رمضان علی لاہور
۹۸	ھدیہ علویہ	عربی و اردو	دعا	۲۸ جمادی الاول ۱۳۹۴ھ	۱۹۷۷ء	تاج کمپنی لاہور	ڈاکٹر سید رمضان علی لاہور
۹۹	ھدیہ نیاز، صحیفہ علویہ	عربی و اردو	دعا	۴ اپریل ۱۹۷۴ء	طبع دوم ۱۹۷۵ء	علمی پرنٹنگ پریس کراچی	شیخ غلام علی اینڈ سنز
۱۰۰	ہمارا پیام	اردو	کلام	—	۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء	نوید پرنٹنگ پریس کراچی	دار الثقافۃ الاسلامیہ کراچی

بوستان دوم — غیر مطبوعہ تالیفات

نمبر شمار	نام	زبان	موضوع	تاریخ تالیف
۱/۱۰۱	آتش گل	اردو	شعر	۳۰/۱/۱۹۶۲ء
۲/۱۰۲	آزاد - پرچند مقالات ؟	اردو	ادب	۱/۶۰ ۲۳ء
۳/۱۰۳	آنحضرتؐ کی پہلی سیاسی فتح	اردو	تاریخ	۱ رجب ۱۴۰۱ھ
۴/۱۰۴	احادیث متفرقہ	اردو	حدیث	محرم ۱۳۹۶ھ
۵/۱۰۵	الاخبار الحسان	عربی	حدیث	۲۶ ج ۲ تا رجب ۱۴۰۲ھ قم
۶/۱۰۶	الاربعین -	-	-	شب ۱۵ محرم ۱۳۹۶ھ
—	من احادیث سیدنا ختم المرسلینؐ	عربی	حدیث	نظر ثانی در رجال حدیث
۷/۱۰۷	الاربعین -	-	-	۲۹ شوال ۱۴۰۱ھ
—	من احادیث سید المرسلینؐ	عربی	حدیث	۳۰ اگست ۱۹۸۱ء اتوار
۸/۱۰۸	افکار و ابکار	اردو	شعر	۳۰/۹/۱۹۴۸ء جمعرات
۹/۱۰۹	اقبال - اہلبیتؑ کی بارگاہ میں	فارسی و اردو	ادب	—
۱۰/۱۱۰	الفاظ العربیہ	عربی و اردو	لغت	منگل ۱۰/۵۴ ۲۰/ ۱۱/۳۴ ۱۸ء
۱۱/۱۱۱	امیر المومنین -			
—	علی ابن ابی طالب فی الطبقات والاضا	عربی	تاریخ	جمعہ ۹/۹۱ ۹ھ/ ۱۰/۷۱ ۲۸ء
۱۲/۱۱۲	انتخاب -			
—	از شجرہ مبارکہ یعنی تذکرہ علماء مبارک پور	اردو	انساب	۲/۹۸ ۱۱ھ/ ۱/۷۸ ۲۱ء
۱۳/۱۱۳	انتخاب بدایع، غزلیات سعدی شیرازی	فارسی	شعر و ادب	نومبر ۱۹۵۹ء
۱۴/۱۱۴	انتخاب: دیوان امیر شاہی سبزواری	فارسی	شعر	۱۹۵۷ء
۵/۱۱۵	انتخاب: دیوان فیضی	فارسی	شعر	۱۹۵۲ء

نمبر شمار	نام	زبان	موضوع	تاریخ تالیف
۱۶/۱۱۶	انتخاب، صحیفۂ الغزال صفی لکھنوی	اردو	شعر	۲۲۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء
۱۷/۱۱۷	انتخاب : کلیات میر	اردو	شعر	قبل از ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۴۲ء
۱۸/۱۱۸	انتخاب مظہر عشق	اردو	شعر	۳۰۔ نومبر ۴۵ء
۱۹/۱۱۹	ایام العرب	عربی	تاریخ	اتوار ۱۲/۶۰ ۲ھ / ۱۲/۴۱ ۳۱ء
۲۰/۱۲۰	باقیات فانی سے انتخاب	اردو	شعر	۳۰۔ جون تا ۲۔ جولائی ۱۹۵۲ء
۲۱/۱۲۱	لبعض العقائد			پیر ۱۰/۶۰ ۱۲ھ / ۱۱/۴۱ ۲ء
—	من دیوان المبتنی	عربی	شعر	جمعہ ۶ بجے سہ پہر
۲۲/۱۲۲	پرانی منزلیں ۔ نئی راہیں	اردو	سفرنامہ	۵/۹۱ ۸ھ / ۷/۷۱ ۲ء
۲۳/۱۲۳	تاریخ سازواقعہ	اردو	تاریخ	۳۰۔ شوال ۱۴۰۶ھ لاہور
۲۴/۱۲۴	تاریخ عتبات عالیات	اردو	تاریخ	۵/۹۱ ۲۹ھ / ۷/۷۱ ۲۳ء
۲۵/۱۲۵	تاریخ کھمبایت	اردو	تاریخ	—
۲۶/۱۲۶	تاریخ موجز	—	—	آغاز ۱۰/۹۲ ۲۰ھ
—	للغۃ الاردویۃ	عربی	تاریخ	اختتام ۱۰/۹۲ ۲۷ھ
۲۷/۱۲۷	تجرید اصول الکافی، المسمی بالصافی	عربی	حدیث	۱۳۹۴ھ/۱۹۴۶ء لکھنو
۲۸/۱۲۸	تحقیق مطالب، تذکرہ امیرالمومنین	—	—	—
—	علی ابن ابی طالب علیہ السلام	اردو	سیرت	۲۵۔ اپریل ۱۹۷۵ء
۲۹/۱۲۹	تخریج الاحادیث			
	من التاریخ الکبیر لمحمد بن اسمعیل البخاری	عربی	حدیث	۲۵۔ ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ
۳۰/۱۳۰	تذکرۂ علماء (نمیر مرتب)	عربی و فارسی	رجال	

نمبر شمار	نام		زبان	موضوع	تاریخ تالیف
٣١/١٣١	ترجمہ حسب نامہ				شب اتوار ١٣٦١ھ ٤/٥٠ ٨ء
—	خاندان مومن خان ثانی بہادر		اردو	تاریخ	شب ولادت حضرت معصومہ عالم
٣٢/١٣٢	ترجمہ قرآن مجید		اردو	قرآن	١٠/١٤٠٦ ١٣ھ / ٦/٨٦ ٢٢ء نیویارک
٣٣/١٣٣	ترجمہ مقدمہ ابن خلدون		اردو	تاریخ	٢/١٣٧٧ ١٩ھ / ٩/٥٧ ١٥ء
٣٤/١٣٤	تشفیع المسائل		عربی	فقہ	١٩٤٦ء
٣٥/١٣٥	تفسیر سورۂ روم		اردو	تفسیر	—
٣٦/١٣٦	تفسیر سورۂ کوثر		اردو	تفسیر	—
٣٧/١٣٧	التوضیح		عربی و اردو	منطق	٥/٦٠ ٨ھ / ٥/٤٢ ٢٤ء
—	—		—	—	اتوار رات ١٢ بجکر ٣٥ منٹ
٣٨/١٣٨	توضیح المکتوم		اردو	فقہ	١٩٤٤ء
٣٩/١٣٩	حامی الثقلین				
—	تاریخ میر حادی حسین		عربی	رجال	١٠/ ج ٢/ ١٣٩٨ء
٤٠/١٤٠	حدیث النهضه، بروایۃ کلینیؒ		عربی	تاریخ	—
٤١/١٤١	حکومت اسلامی، کتاب و سنّت میں		اردو	فقہ و کلام	—
٤٢/١٤٢	حل لغات المحتف العربی		عربی، اردو	لغت	٣/٤٢ ٢١ تا ٣ ١٩٤٣ء
٤٣/١٤٣	خلاصۃ الاصول		اردو	اصول فقہ	١٠/٦١ ٢١ھ / ١١/٤٢ ١ء اتوار
٤٤/١٤٤	درر منظم ج ٣/٤		اردو	ادب	٩/٦٣ ٢٣ھ / ٩/٤٤ ١١ء صبح ١٠ بجے پیر
—	—		—	—	٣/٦٤ ٢٩ھ / ٣/٤٥ ١٥ء ١/١٢ ١٢ بجے شب جمعرات
٤٥/١٤٥	دعائم الاسلام کا مطالعہ		عربی و اردو	فقہ	٢٩ اکتوبر ١٩٦٢ء
٤٦/١٤٦	دیوان شاہی پر		اردو	شعر	١١/٧٦ ٢٥ھ / ٦/٥٧ ٢٤ء

نمبر شمار	نام	زبان	موضوع	تاریخ تالیف
۴۷/۱۴۷	دیوان غالب پر نقد و نظر	اردو	نقد و ادب	—
۴۸/۱۴۸	رسالۂ احوال، ملا احمد التتوی رح	عربی	رجال	۲/۹۱ ۱۷ھ ۴/۷۱ ۱۴ء
۴۹/۱۴۹ تا ۵۶/۱۵۶	سچے دین کی سچی باتیں پہلی سے آٹھویں جماعت کیلئے آٹھ کتابوں کا سلسلہ	اردو	دینیات	—
۵۷/۱۵۷	سرپرست سیّد سجاد	اردو	سیرت	۱۹/۶/۱۹۶۵ء
۵۸/۱۵۸	سفر ایران	اردو	روزنامچہ	آغاز سفر ۷/۹۹ ۲۸ھ/ ۶/۷۹ ۲۵ء اختتام ۸/۹۹ ۳۰ھ/ ۷/۷۹ ۲۵ء بدھ ۲ بجے دوپہر کراچی
۵۹/۱۵۹ تا ۶۶/۱۶۶	سیرت النبیؐ پہلی سے آٹھویں جماعت تک کیلیے ۸ کتابوں کا سلسلہ	اردو	سیرت	—
۶۷/۱۶۷	الشذرات	اردو	کشکول	۲/۶۶ ۷ھ/ ۱/۴۷ ۱ء بدھ
۶۸/۱۶۸	شرح نہج البلاغہ مکمل	عربی و اردو	حدیث	—
۶۹/۱۶۹	شعلہ و شبنم کا انتخاب	اردو	شعر	قبل از ۲۳، اکتوبر ۴۲ ۱۹ء
۷۰/۱۷۰	شیعہ۔ تعارف و تاریخ	اردو	تاریخ	۸/۸۵ ۲۲ھ/ ۱۲/۶۵ ۱۶ء جمعرات
۷۱/۱۷۱	عزیزہ، فی شرح وجیزہ	عربی	درایت	۱۰/۹۴ ۱۴ھ/ ۱۰/۷۴ ۳۰ء بدھ لاہور
۷۲/۱۷۲	علوم شیعہ	اردو	تاریخ	۵، مارچ ۷۶ ۱۹ء
۷۳/۱۷۳	علی ابن ابی طالب علیہ السّلام	اردو	سیرت آئمہ	—
۷۴/۱۷۴	عیون الحکم و اصول معاجز الکلم	عربی	ادب	۹/۸۲ ۱۰ھ/ ۲/۶۳ ۶۵ لاہور
۷۵/۱۷۵	غالب اور ان کے فن	اردو	ادب	—

نمبر شمار	نام	زبان	موضوع	تاریخ تالیف
۷۶/۱۷۶	الفصول المختارہ	عربی	سیرت	۱۳۹۷ھ
۷۷/۱۷۷	فہرست			
ـ	کتاب خانہ ابن طاؤس	اردو	فہرست	۱۳ شوال ۱۴۰۵ھ تہران
۷۸/۱۷۸	فہرست کتب خطی	عربی و اردو	فہرست	ـ
۷۹/۱۷۹	قادیانی ـ اور اُن کی حقیقت	اردو	تاریخ و کلام	۱۰ مئی ۱۹۷۵ء
۸۰/۱۸۰	قصائد رنات الطرب			
ـ	من اغانی العرب مع حواشی	عربی	ادب	۱۲ ۷/۶۲ھ / ۷/۴۴ ۴ء منگل
۸۱/۱۸۱	قصیدہ بانت سُعاد	عربی	ادب	۸/۶۲ ۲۰ھ / ۸/۴۳ ۲۲ء اتوار لکھنؤ
۸۲/۱۸۲	قصیدہ کا ارتقاء	اردو	ادب	ـ
۸۳/۱۸۳	کتاب الاجازات	عربی	اجازات	۱۵ ذی حجہ ۱۳۹۳ھ
۸۴/۱۸۴	کتاب المقتبس			
ـ	النخبۃ من احادیث النبی الخاتم والائمۃ	عربی	حدیث	ـ
ـ	علیہم السلام			
۸۵/۱۸۵	کشکول مرتضوی	عربی	کشکول	۲/۶۵ ۱۳ھ / ۲/۴۶ ۱۸ء
۸۶/۱۸۶	گلدستۂ اشعار	اردو	شعر	۲۳ اکتوبر ۱۹۴۲ء
۸۷/۱۸۷	گلستان سخن	اردو	شعر	ـ
۸۸/۱۸۸	مطالعہ دیوان ابی تمام	عربی و اردو	شعر	۱۹۴۴ء
۸۹/۱۸۹	مفسرین و تفاسیر	اردو	تاریخ و رجال	ـ
۹۰/۱۹۰	مقامات الحریری	عربی و اردو	ادب	جمعرات ۱۳ صفر ۱۳۶۰ھ
۹۱/۱۹۱	الملتقط	عربی	ادب	۷/۸۲ ۲۹ھ / ۱۲/۶۲ ۲۷ء

نمبر شمار	نام	زبان	موضوع	تاریخ تالیف
۹۲/۱۹۲	منتخب آیات ونغمات	اردو	شعر	قبل از ۲۳، اکتوبر ۱۹۴۲ء
۹۳/۱۹۳	منتخب اشعار	اردو	شعر	—
۹۴/۱۹۴	منتہی الامانی	عربی	فہرست	فروری ۱۹۶۰ء
۹۵/۱۹۵	المنطق	اردو	منطق	پیر ار مئی ۱۹۴۲ء
۹۶/۱۹۶	المنظومات من سلم الادب	عربی واردو	ادب	۶/۵۶ ۱ھ/ ۸/۳۷ ۹ء پیر
۹۷/۱۹۷	میزان الشعر	اردو	ادب	۱۱/۴۰ ۲۶ھ/ ۱۲/۴۱ ۱۶ء منگل الہ باد
۹۸/۱۹۸	نخبۃ النظم	عربی وفارسی	ادب	۱۹۴۴ء —
۹۹/۱۹۹	نقد الشعر			
—	لابی فرج قدامہ بن جعفر	عربی	حدیث	۱۲/۶۲ ۱۱ھ/ ۱۲/۴۳ ۱۸ء اتوار
۱۰۰/۲۰۰	نہج البلاغۃ			
—	کتاب الحرکۃ والحرارۃ	عربی	حدیث	۱۶ ار رجب ۱۴۰۲ء تہران
۱۰۱/۲۰۱	یادداشت ۳۶۵، کتابوں کے مطالعہ کے دوران کی جانے والی یادداشتوں کا مجموعہ مع حوالہ جات واشاریہ	اردو	کشکول	۷، نومبر ۱۹۵۰ء
۱۰۲/۲۰۲	یادداشتیں	اردو	سفرنامہ	۲۴، ذی حج ۱۳۹۶ھ

نمبر شمار	نام	زبان	موضوع	مطبوعہ/غیر مطبوعہ	حوالہ	
۱/۲۰۳	ابوطالب	اردو	تاریخ	مطبوعہ	حیات حکیم ص ۱۷۹	(وہ کتابیں جن کے نام مرحوم نے
۲/۲۰۴	انتخاب دیوان فرزدق	عربی	ادب و شعر	غیر مطبوعہ	حیات حکیم ص ۱۸۰	اپنی تصانیف کے ذیل میں تحریر
۳/۲۰۵	بدایۃ الھدایہ، ترجمہ و شرح	اردو	فقہ	غیر مطبوعہ	حیات حکیم ص ۱۸۲	کیے ہیں، لیکن ان کے نسخے فی الحال
۴/۲۰۶	تاریخ و وقایع امام زمانہ عج	اردو	تاریخ	مطبوعہ	حیات حکیم ص ۱۸۰	دستیاب نہیں ہو سکے ہیں۔)
۵/۲۰۷	تبصرۂ کتب	اردو	کتاب شناسی	مطبوعہ	حیات حکیم ص ۱۸۰	
۶/۲۰۸	تذکرۂ مرثیہ گویاں	اردو	ادب	مطبوعہ	حیات حکیم ص ۱۸۱	
۷/۲۰۹	ترجمہ اردو، اعیان الشیعہ	اردو	رجال	غیر مطبوعہ	روزنامچہ سنہ ۱۹۷۹ء ص ۲۱۔ دسمبر	
۸/۲۱۰	ترجمہ اردو، مواخر النصوص و جواہر الفصوص	اردو	کیمیا	غیر مطبوعہ	روزنامچہ سنہ ۱۹۷۹ء ص ۲۱۔ نومبر	
—	مؤلفہ ۱۵؍ اکتوبر ۱۹۴۹ء	—	—	—	—	
۹/۲۱۱	تلخیص التاریخ الکبیر للبغدادی	عربی	تاریخ	غیر مطبوعہ	روزنامچہ سنہ ۱۹۷۹ء ص ۲۳۔ نومبر	
۱۰/۲۱۲	تلخیص و اضافہ، گنجینۂ دانشوران	فارسی	رجال	غیر مطبوعہ	روزنامچہ سنہ ۱۹۷۹ء ص ۲۱۔ دسمبر	
۱۱/۲۱۳	جوہریان سخن	اردو	ادب	غیر مطبوعہ	روزنامچہ سنہ ۱۹۷۹ء ص ۲۳۔ نومبر	

	نام	زبان	موضوع	مطبوعہ/غیر مطبوعہ	حوالہ
[illegible]	حاشیہ شرح کبیر	عربی	فقہ	غیر مطبوعہ	حیات حکیم ص ۱۸۲
۱۳/۲۱[illegible]	دفتر خطوط غالب	اردو	ادب	غیر مطبوعہ	
۱۴ ۲۱[illegible]	سراج المنیر	فارسی		غیر مطبوعہ	فہرست (ادارہ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کے لیے مرتب کی ہوئی فہرست میں)
–					
–					
۱۵/۲۱[illegible]	سوانح و نقد آتش	اردو	ادب	غیر مطبوعہ	روزنامچہ سنہ ۱۹۷۹ء ص ۲۱ نومبر
[illegible]/۲۱[illegible]	شکرستان		ادب	غیر مطبوعہ	فہرست (مذکور)
[illegible]۱۹	علوم اسلام اور علمأ	اردو	تاریخ	غیر مطبوعہ	
۱۸/۲۲۰	غالب ـــ کی روشنی میں	اردو	ادب	غیر مطبوعہ	حیات حکیم ص ۱۸۱
۱۹/۲۲۱	غالب، نقد و سوانح	اردو	ادب	غیر مطبوعہ	

بوستان چہارم

وہ کتابیں جن کا مختلف زبانوں میں ترجمہ

نمبر شمار	نام	زبان	موضوع	مطبوعہ/غیر مطبوعہ	حوالہ
۲۰/۲۲۲	مجموعۂ بے رنگ	اردو	ادب	غیر مطبوعہ	روزنامچہ ۱۹۷۹ء ص ۲۱۔ نومبر
۲۱/۲۲۳	مشاہیر شعرا بہ عہد بنی عباس	عربی/اردو	ادب و تاریخ	غیر مطبوعہ	روزنامچہ ۱۹۷۹ء ص ۱۔ دسمبر
۲۲/۲۲۴	معدن الجواہر۔ ملا طرزی	فارسی	تاریخ	غیر مطبوعہ	فہرست مذکور حیات حکیم ص ۱۸۱
۲۳/۲۲۵	مقالات آزاد	اردو	ادب	غیر مطبوعہ	

امامیہ مشن پاکستان کی نایاب کتابیں

شہیدِ انسانیت

علامہ علی نقی مرحوم کی یہ معرکتہ الآراء کتاب حضرت امام حسین علیہ السلام کی زندگی اور شخصیت پر کامل اور مدلل روشنی ڈالتی ہے۔ اس کتاب میں امام مظلوم کی پیدائش سے قبل عرب کی سیاسی، ثقافتی اور مذہبی حالت کا نقشہ کھینچ کر ان تمام حالات کا تذکرہ کیا گیا ہے، جن میں امام حسینؑ کی زندگی پروان چڑھی۔ پھر معاویہؔ اور یزید کی ان ریشہ دوانیوں کا بھی ذکر ہے، جو آلِ محمدؐ کے خلاف روا رکھی گئیں۔ واقعۂ کربلا کے اسباب و نتائج پوری بصیرت اور وضاحت کے ساتھ درج ہیں اور تقریباً ایک سو پچیس ۱۲۵ انصار حسینؑ کے حالاتِ زندگی بھی بڑی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ آخر میں امام مظلوم کی سیرتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چھ سو صفحات پر مشتمل اس کتاب کی کم سے کم قیمت ۲۰۰/۰۰ روپے رکھی گئی ہے۔

معراجِ انسانیت

علامہ مرحوم کی یہ کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ اس دنیا میں انسان کیوں آیا۔ اس کے حقوق اور فرائض کیا ہیں اور اسے کیوں انسانِ کامل کہا جاتا ہے۔ علامہ نے ان تمام اصولوں کا تذکرہ کر کے بتایا ہے، جن پر عمل پیرا ہو کر انسان کو معراج حاصل ہوتی ہے۔ علامہ نے تشریح کی ہے کہ جذبات انسان کو بے راہروی کی طرف بہا لے جاتے ہیں، لیکن اگر اس میں فرض شناسی کا جذبہ موجزن ہو تو اس سے عدل و اعتدال کی راہِ مستقیم بن جاتی ہے۔ اسی اصول کے تحت سیرتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی چند جھلکیاں پیش کی گئی ہیں تاکہ انسان انہیں دیکھ کر اور ان پر عمل کر کے راہِ نجات حاصل کرے۔ ۱۰۰ صفحات اور قیمت صرف ۲۰/۰۰ روپے ہے۔

دین و اسلام

یہ کتاب علامہ شیخ محمد حسین آلِ کاشف الغطا کی تصنیف ہے۔ اصولِ دین سمجھنے کے لئے اس کتاب کا ہر گھر میں ہونا نہایت ضروری ہے۔ نہایت شستہ اور آسان زبان میں خدا کی وحدانیت، رسالت اور مسئلہ امامت کا ذکر کیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ دینِ اسلام کا نظام عقل پر منحصر ہے۔ چند فرقوں کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، جو خدا کی بعض صفات میں شک کرتے ہیں۔ اس کتاب کے صفحات ۲۲۸ ہیں اور قیمت ۳۰/۰۰ روپے ہے۔

فتحِ مبین

ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی کی یہ کتاب بنی امیہ کے مدح خوانوں کے دلائل کا مسکت جواب ہے اس کتاب میں مصنف نے روایت و درایت کے ساتھ بنی امیہ کے مقابلے میں آلِ محمدؐ کی فتح مبین کو قلم کی پوری توانائیوں کے ساتھ اس دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے کہ آلِ محمدؐ کے کردار کی عظمت و لازوال فتح کا اقرار کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ ۳۱۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت: ۱۲۰/۰۰ روپے ہے ۔

اسوۂ حسنؑ

اس کتاب کے مصنف علامہ علی حسنین شیفتہ ہیں۔ علامہ مرحوم نے تقریباً ۱۰۰ کتابوں کے حوالوں سے حضرت امام حسنؑ کی لازوال امامت کا تذکرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ بنی اُمیّہ کی جھوٹی اور وضعی حدیثوں کی مدد سے رسُولِ پاکؐ کے اس بڑے نواسے کی کردار کشی کی گئی - پوری کتاب میں صفحات کے نیچے فٹ نوٹ دیئے گئے ہیں تاکہ مصنف کی تحریر باوزن ہو جائے ۔ صفحات ۳۱۲ ہیں اور قیمت صرف ۵۰/۰۰ روپے ہے ۔

دینِ حق

آقائے سید شرف الدین کی یہ نایاب کتاب ہے۔ اس کتاب میں وہ ۵۴ خطوط ہیں جو آقائے شرف الدین اور عالمِ اہلِ سنّت شیخ سلیم البشری کے مابین تحریر ہوئے اور پھر یہ فیصلہ ہوا کہ امّت کے اتحاد کا بنیادی اصول یہی ہے کہ کتاب اللہ اور اہلِ بیت علیہم السّلام کا تتبع کیا جائے ۔ اس کتاب کے صفحات: ۴۳۲ اور قیمت: ۱۰۰/۰۰ روپے ہے ۔

اعجاز التنزیل

یہ کتاب خلیفہ محمد حسن خان بہادر مرحوم کی تصنیف ہے، جس میں موصوف نے عرب کی حالت، حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت، قرآن مجید کی خوبیاں، اسلام اور غلامی، مذہب کی آزادی، حضورؐ کے غزوات، جزیے کی حقیقت، طلاق اور تعدد ازدواج، دینِ قیّم اور متعدد پیش گوئیوں کا تذکرہ کیا ہے --- ۴۴۰ صفحات اور قیمت: ۴۵/۰۰ روپے

دعائے مبارکہ

برائے حفاظت از آفات، بلیات، حادثات، سحر، زہر اور شر شیاطین و جن و انس وغیرہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یَا مَنْ لَّا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا ھُوَ ○ یَا مَنْ لَّا یُدَبِّرُ الْاَمْرَ اِلَّا ھُوَ ○ یَا مَنْ لَّا یَصْرِفُ السُّوْٓءَ اِلَّا ھُوَ ○ یَا مَنْ لَّا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا ھُوَ یَا مَنْ لَّا یُحْیِ الْعِظَامَ الْمَوْتٰی اِلَّا ھُوَ ○ ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وَ ھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰہُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ○ وَبِحَقِّ کٓھٰیٰعٓصٓ وَبِحَقِّ حٰمٓ عٓسٓقٓ وَبِحَقِّ الْوَاحِدِ الْاَحَدِ الصَّمَدِ الْفَرْدِ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ط اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

---

(۱) امامیہ مشن ملت جعفریہ کا پاکستان میں اپنی نوعیت کا واحد ادارہ ہے جو ۱۹۵۵ء سے مسلسل اپنی معتدل اور متوازی پالیسی کے مطابق دین کی خدمت کر رہا ہے اور اس کو قوم کے تمام حلقوں کا اعتماد حاصل ہے۔ اس کے ممبران و بہی خواہان ہر گوشۂ پاکستان کے علاوہ ایران، عراق، یورپ، امریکہ، افریقہ وغیرہ میں موجود ہیں۔ (۲) ہر اہم موضوع پر مختلف زبانوں میں کم قیمت اور مختصر و جامع لٹریچر کثرت سے شائع کرتا ہے۔ (۳) مشن کا ماہانہ ارگن پیام عمل جو پاکستان کے تمام شیعہ جرائد میں کثیر الاشاعت ہے۔ ملک اور بیرون ملک کی لائبریریوں میں بلا معاوضہ جاتا ہے۔ (۴) اردو اور انگریزی میں اسلام، ہادیان اسلام اور واقعہ کربلا پر نہایت عمدہ لٹریچر شائع کیا ہے۔ ۵۰ نئی کتابیں ادارہ کی زیر طبع ہیں۔ (۵) اعظم و اعلم مجتہدین عراق و ایران نے مال خمس (سہم امام علیہ السلام) اس ادارہ پر خرچ کرنے کے اجازے عطا کر رکھے ہیں۔ (۶) حکومت پاکستان نے امامیہ مشن کو دی جانے والی تمام رقوم عطیات پر انکم ٹیکس معاف کر رکھا ہے۔ اس ادارہ کے حسابات چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ سے آڈٹ ہوتے ہیں۔ (۷) کیا یہ لازم نہیں کہ اس قدیم و مفید ادارہ کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے آپ اپنی سی کوشش فرمائیں اور خدا کے ہاں اجر پائیں۔

مینیجنگ ٹرسٹی

درج ذیل کتابیں امامیہ مشن سے مل سکتی ہیں

1- تاریخ اسلام   از سید العلما مولانا علی نقی   36/- فی سیٹ

2- شہید انسانیت   از سید العلما مولانا علی نقی   200/

3- معراج انسانیت   از سید العلما مولانا علی نقی   5/-

4- بیان القرآن (ترجمہ)   15/-

5- دینیات اول تا پنجم   از ڈاکٹر ذاکر فاروقی   20/-

6- فتح مبین   از ڈاکٹر ذاکر فاروقی   150/-

7- علی ولی اللہ   از علامہ شیفتہ   5/-

8- انسان معصوم   از علامہ شیفتہ   10/-

9- اسوۂ حسن   از علامہ شیفتہ   60/-

10- کلمہ علی اللہ   از علامہ شیفتہ   5/-

11- امام حسن   از علامہ شیفتہ   8/-

12- دین حق   از سید عبداللہ شرف الدیں   60/-

13- دین اور اسلام   از علامہ حسین بخش جاڑا   10/-

14- ناموس اسلام   از سید محمد ہاشم   14/-

15- ناموس اسلام حصہ دوم   16/-

16- میرزائی تزویر   از مولانا محمد جعفر زیدی   6/-

17- العطش (مرثیہ)   از وحید الحسن ہاشمی   100/-

18- العطش (دوم)   از وحید الحسن ہاشمی   100/-

19- معصومین (منقبتیں)   از وحید الحسن ہاشمی   100/-

20- تنقیدی جہتیں (مقالے)   از وحید الحسن ہاشمی   100/-

21- اعجاز التنزیل   از خلیفہ محمد حسن خان بہادر   50/-

22- الشہید   از سید علی جعفری   5/-

23- انیس آخرت   از سید انصار نقوی   10/-

24- فکر انیس (مرثیے)   مرتبہ عابد علی عابد   40/-

25- حیات اشرف   از مولانا حسین بخش   7/-

26- شہادت حسین   از حافظ ابو محمد امام   8/-

27- حضرت علی   از سید محمد رفیق   8/-

28- نشان عزا (نوحے)   از منور سلطانہ   10/-

29- اسلامی جمہوریت   از آقائے حسین نوری   30/-

30- خزینتہ المجالس   60/-

31- شیعیت کا تعارف   علامہ علی نقی مرحوم   5/-

32- کتب آسمانی اور احادیث   علامہ مجتبے حسین   5/-

33- امام منتظر (حضرت قائم آل محمد عجل اللہ فرجہ کا مقدس تذکرہ)   5/-

34- حضرت سلیمان شہید بصرہ   5/-

35- حسین کی شخصیت بین الاقوامی شخصیت ہے   5/-

36- رسول کی بیٹی   از مولانا رضی الدین حیدر   5/-

37- سفینتہ الایمان   (منظوم پنجابی)   5/-

38- Divine Sovereignty   25/-

39- Ali   5/-

40- Tragedy of Karbala   5/-

حدیثِ عشق دو باب است کربلا و دمشق
یکے حسین رقم کرد و دیگرے زینب

حدیثِ عشق

جناب سیّد علی اکبر رضوی

کا چوتھا سفرنامہ

شام و ترکی کی زیارت گاہوں کی نادر و نایاب
تصاویر سے مزیّن اشاعت کے آخری مراحل میں

ناشر

ادارۂ ترویجِ علومِ اسلامیہ، کراچی

مولانا سیّد مُرتضےٰ حُسین فاضل (مرحوم)